Marfat.com

۳۹۷
۷۷۶۸۷

اس کتاب کی تمام آمدن ایدھی ٹرسٹ کے نام

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اشاعت	....	اول اکتوبر 2008ء
مصنف	....	ثاقب رحمان
کمپوزنگ	....	پرفیکٹ گرافکس 0301-6868984
مطبع	....	روزن پرنٹرز 0345-5159748
قیمت	....	140روپے

Marfat.com

تیرے پُراسرار بندے

Islam's impact on the life of Human being.

Saqib Rehman

Marfat.com

ترتیب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	تعارف	7
2	دینِ اسلام	9
3	عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	15
4	کردار	24
5	نفس	26
6	عشق	53
7	صبر اور عشق	60
8	نظر (نگاہ)	64
9	احترام	67
10	سلام	74
11	جہاد	78
12	نماز	89
13	خشوع وخضوع نماز	93
14	رہنمائی	98
15	نصیب	102
16	آزمائش	107
17	محنت	109
18	جزا و سزا	111
19	بقاء کا رستہ	112

Marfat.com

میرے مطابق

نامور امریکی فلاسفر اور سائیکالوجسٹ ولیم جیمز نے کیا خوب کہا تھا کہ:

''عام طور پر لوگ یہ مان لیتے ہیں کہ وہ سوچ رہے ہیں جبکہ درحقیقت وہ اپنے تعصبات کو الفاظ کا جامع پہنانے میں ہی مشغول رہتے ہیں''۔

ثاقب رحمان کی یہ تحریر جو آپ کے ہاتھ میں ہے ایک چونکا دینے والی کاوش ہے۔ وہ جو سوچ رہے ہیں وہ نہ صرف کہ حقیقت پر مبنی اظہار ہے بلکہ اس حقیقت کا مظہر ایک انتہائی اچھوتے دلچسپ پیرائے میں کرتے نظر آتے ہیں۔ اُن کی تحریر کی خوب صورتی دوچند ہے کیوں کہ وہ تعصبات سے کہیں آگے کی بات بیان کرتے ہیں اور اُن کا انداز اُن کی ہمت اور اُن کے اشارے تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر عمومی انسانی حسیات سے جلد لیتے نظر آتے ہیں۔

میرا تعارف ثاقب رحمان سے سرسری سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ سو ظاہر ہے اُن کی تحریر کو پرکھتے ہوئے میرے اپنے تعصبات نہ ہونے کے برابر تھے۔ موضوع اگرچہ انتہائی اہمیت کا حامل اور انسانی تمدن کی اس پیڑھی سے گہرا تعلق رکھتا ہے مگر کوئی بھی تحقیقی بیان اُس وقت تک کسی وزن کا حامل نہیں ہو پاتا جب تک کہ اُس میں سچائی، دیانت داری اور عرق ریزی کی نمایاں جھلک نہ دکھائی دے۔ ثاقب رحمان کی یہ تحریر نہ صرف ان کسوٹیوں پر پوری اترتی ہے بلکہ اس سے بھی کہیں آگے کی بات کرتی نظر آتی ہے۔

Marfat.com

پھر موضوع سے آگے بیان کا پیرائیہ اہم ہے۔ ثاقب رحمان ستھرا سوچتے ہیں اور خوب صورت بیان کرتے ہیں۔ الفاظ ثاقب رحمان کو کبھی بھی دھوکا دیتے محسوس نہیں ہوتے۔ انسانی تمدن اور تہذیب کے ارتقاء کے جن حساس پہلوؤں کو یہ تحریر زیرِ بحث لاتی ہے وہ ایسے ہنر مند کے متقاضی ہیں اور اس تحریر میں یہ Combination بڑے خوبصورت تال میل بناتا نظر آتا ہے۔

میں دعا گوہوں کہ پروردگار ثاقب رحمان کی حساسیت اُس کی تحقیقی پرکھ، تعصبات سے بالاتر سوچ اور قلم کی زرخیزی برقرار رکھے۔

فاروق بیگ

ڈاکٹر فاروق بیگ
ایم۔ڈی۔ سراندیپ پروڈکشنز
اسلام آباد

Marfat.com

تعارف

شروع اللہ تعالیٰ کے پاک و بابرکت نام سے جو تمام جہانوں کا اوران میں بسنے والی جملہ مخلوقات کا مالکِ حقیقی اوران کو رزق پہنچانے والا اور پالنے والا الغفور والرحیم ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں تمام جہانوں کی اوران میں بسنے والی جملہ مخلوقات سمیت مجھ حقیر کی جان ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسان کے سیکھنے کا عمل اُس کی موت تک جاری رہتا ہے اور انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں، جانوروں اور اپنے گردو پیش وقوع پذیر ہونے والے حالات وواقعات سے سیکھتا ہے، تقریباً ایسے ہی کچھ حالات وواقعات مجھے بھی پیش آئے جن سے میرے سیکھنے اور سمجھنے کا عمل شروع ہوا۔ آج کے دن تک میں نے الحمداللہ بہت کچھ سیکھا لیکن ایک دن جب میں نے ایک طرف نگاہ اُٹھائی تو مجھے انکشاف ہوا کہ ابھی تو میں نے کچھ بھی نہیں سیکھا اور بہت کچھ سیکھنے کے لیے ابھی باقی ہے۔

خیر جوں جوں وقت گزرتا رہا بہت سی باتیں اور خیالات میرے ذہن کے کسی گوشے میں جمع ہوتے رہے اور ایک وقت ایسا آ گیا کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ اب اِن باتوں اور خیالات کا اظہار کیا جائے لیکن جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ اظہار کافی مشکل عمل ہے۔ ذہن میں یہ تمام باتیں اور خیالات شدت سے گردش کرنے لگے نتیجتاً ایک دن میں کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گیا لیکن یہ کیا؟ ہر چیز آپس میں گڈمڈ ہو گئی اور ایک کھچڑی سی پک گئی مگر میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پہلا فقرہ لکھا اور پھر رحمتِ الٰہی سے بندشیں کھل گئیں، تمام چیزیں ایک ترتیب میں آ گئیں اور قلم رواں ہو گیا۔ اب میں لکھ رہا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ان باتوں اور خیالات کا اختتام کہاں پہنچ کر ہوگا؟ اسی دوران میں یہ بات محسوس کرنے لگا کہ اب میں فائنل سٹیج کے قریب پہنچ چکا ہوں اور جیسے ان باتوں اور خیالات کا آغاز ہوا تھا، ویسے ہی خوش اسلوبی سے اختتام ہو گیا۔

چنانچہ یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے میری ایک ادنیٰ سی کاوش ہے اس میں قلم میرا اور باتیں میرے نہایت مخلص اور پیارے دوست کی ہیں۔ آئیں اب تمام باتیں میرے دوست ہی کی زبان سے سنتے ہیں۔

میرے خیال میں چونکہ لوگ اپنے نام مختلف اوقات میں مختلف وجوہات کی بناء پر تبدیل کرتے رہتے ہیں، اس لیے میں آپ کو اپنا نام نہیں بتاؤں گا۔ میں نہ تو کوئی عالم ہوں اور نہ ہی زیادہ تعلیم یافتہ ہوں، مجھے بس اتنا فخر حاصل ہے کہ پاکستان کی شرحِ خواندگی کو بڑھانے میں کچھ میرا بھی ہاتھ ہے

Marfat.com

اور الحمدللہ حصول علم کے اس سفر میں مسلسل گامزن ہوں۔
اس کتاب میں آپ کو کچھ دنیاداری کی باتیں ملیں گی، کچھ ایسی باتیں بھی ہوں گی جو آپ نے پہلے بھی بے شمار دفعہ پڑھی اور سنی ہوں گی، چند ایک حوالہ جات بھی ہوں گے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب میں آپ کو میری زندگی کے متعلق چند اہم راز بھی ملیں گے۔ راز سے مجھے یاد آیا کہ حضرت علیؑ کا قول ہے کہ "تمھارا راز تمھارا قیدی ہے، لیکن افشاء کے بعد تم اس کے قیدی بن جاؤ گے"۔
حضرت علیؑ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے راز بھی کسی کو بھی نہیں دینے چاہیں کیونکہ یہاں محرم راز بہت ہیں راز داں کوئی نہیں اور اپنے راز دوسروں کو دو ہی بندے دیتے ہیں، ایک بے وقوف اور دوسرے مجبور۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ میں کس جگہ کھڑا ہوں۔
آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ باتیں کرنا بھی آسان ہے اور سننا بھی! لیکن لکھنا سب سے زیادہ مشکل عمل ہے۔ کیوں کہ کہی ہوئی بات سے انسان مکر سکتا ہے اور سنی ہوئی بات توڑ موڑ کر آگے پیش کی جا سکتی ہے لیکن لکھی ہوئی بات چونکہ سند ہوتی ہے۔ اس لیے اس سے انسان پھر نہیں سکتا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص ایک اچھی تحریر (جس کا مقصد نیکی، بھلائی اور اچھائی کی طرف ہوگا) معاشرہ کو دے گا تو یہ بھی ایک صدقہ ء جاریہ ہوگا اور ایک ایسی تحریر جس کا مقصد معاشرہ میں فساد، بدامنی، بے چینی اور بدی کو عام کرنا ہوگا تو اس کا گناہ لکھنے والے کے سر پر تا قیامت رہے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو نیکی و بھلائی کی باتیں پھیلانے اور معاشرے میں انھیں عام کرنے اور بدی و فساد کی باتوں سے بچنے اور انھیں روکنے کی طاقت و توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

لہٰذا اس کتاب میں کوئی فنی حوالے سے یا کوئی اور غلطی ہو تو اس کے لیے میری پیشگی معذرت قبول فرمائیں۔ باقی اس کتاب کا ہر مضمون اگلے مضمون سے جُڑا ہوا ہے اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے اور اس کو سمجھنے میں آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

ایک بات اور کہ ہر چیز کی ابتداء ہوتی ہے پھر وہ انتہاء تک پہنچتی ہے۔ انتہاء کی انتہاء تک پہنچنے کے بعد پھر سے ابتداء ہوگی لیکن یہ وہ ابتداء ہوگی جس کی کوئی انتہاء نہیں۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

(ثاقب رحمان)

Marfat.com

دینِ اسلام

اسلام کی بنیاد عقائد اور اعمال پر ہے اور اسلام کی تعلیمات پر سر تسلیم خم کرنے والے مسلمان کہلاتے ہیں۔ جناب حضرت آدمؑ سے لے کر آخری نبی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ تک جتنے بھی پیغمبروں کا ظہور ہوا۔ اُن سب نے عقیدہ توحید، رسالت، آخرت اور عبادات کا پرچار کیا لیکن سوائے اسلام کے تمام الہامی مذاہب کے پیروکاروں نے اپنے مذاہب اور اپنی الہامی کتابوں میں اپنے اپنے نقطۂ نظر اور اپنی اپنی خواہشات کے مطابق تبدیلیاں کر لیں لیکن قرآن پاک کی حفاظت چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اس لیے تا قیامت اس میں زیر زبر کی بھی غلطی ہونا ناممکن بات ہے اور یہ نہایت فضیلت کی بات ہے کہ دنیا بھر کے مختلف خطوں میں مختلف لب و لہجے میں مختلف زبانیں بولنے والے مسلمانوں کے سینوں میں قرآن پاک زیر زبر کی غلطی یا کسی اختلاف کے بغیر محفوظ ہے اور ایسی کوئی دوسری مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ (سبحان اللہ)

اسلام:

اسلام! امن، سلامتی، محبت، رواداری، مساوات، اطاعت، برداشت، صبر، تحمل، بردباری، ایثار، حیا، تحقیق، اور درستی اعمال و اخلاق کا دین ہے۔ اگر ظہورِ اسلام سے قبل عرب معاشرہ کی حالت دیکھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عرب قوم انتہائی غیر مہذب، ظالم، اُجڈ اور وحشی قوم تھی۔ اس وقت ہر طرح کی برائی اُن میں عام تھی اور اُن کے سامنے کوئی واضح منزل نہ تھی، وہ بہادر تو تھے لیکن اُن کی تمام توانائیاں منفی سمت میں صرف ہو رہی تھیں۔ اُن میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑے شروع ہوتے جو صدیوں تک جاری رہتے۔ اُن کا کوئی مرکز

Marfat.com

نہیں تھا اور وہ گروہوں میں بٹے ہوئے تھے لیکن کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ ایسا کیا ہوا کہ جب یہی قوم دائرہ اسلام میں داخل ہوئی تو دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئی اور اس قوم کی عظمت، شجاعت، تدبر، فہم وفراست، عاجزی، انصاف اور معاملہ فہمی کی تمام دنیا معترف ہو گئی اور یہ قوم تمام دنیا کے لیے ایک مثال بن کر ابھری۔ کیا کبھی آپ نے تحقیق کی ہے کہ یہ قوم کیسے پستی اور تباہی سے رفعت وبلندی کی طرف گامزن ہوئی؟

ایسا کیا ہوا کہ یکدم اُن کی سوچ، اُن کے خیالات، اُن کے اخلاق، اُن کی رسمیں، اُن کے رواج، اُن کے کردار اور اُن کا سب کچھ ہی بدل گیا اور انھوں نے ایسی متوازن زندگی بسر کی کہ اپنی جھوٹی انا کو مٹا دیا اور اپنے نفس کی ہر خواہش کو رد کر کے اپنے نفس کو زمین کے ساتھ لگا دیا اور نتیجتاً دنیا وآخرت میں کامیابی کا نسخہ پایا۔

اسی مقام کے متعلق اقبال کچھ یوں گویا ہوئے تھے:

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں کر ممکن ہوا کہ پہلے جو لوگ برائی کو اپنی بڑائی سمجھتے اور گردانتے تھے اور پھر اس پر فخر کرتے تھے لیکن جب یہی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو اُن کی حالت ہی بدل گئی عاجزی اور خوفِ خدا اُن کا خاصا ٹھہرا! حتیٰ کہ جب انھیں جنت کی بشارتیں بھی دے دی گئیں تو تب بھی وہ پہلے سے کہیں زیادہ اپنے پروردگار سے معافی اور ہدایت کے طالب ہوئے اور وہ ہر لحہ توبہ استغفار کرتے رہتے کہ اُن کے کسی عمل کی وجہ سے اُن کا اللہ تعالیٰ اُن سے ناراض نہ ہو جائے اور ان کا ہر عمل اور ہر قدم اپنے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُٹھتا۔ انھوں نے اپنی جانیں قربان کیں، ہجرتیں کیں، اپنے گھر، مال، مویشی، کاروبار، جائیدادیں، زمینیں اور عزیز واقارب کو چھوڑا اور اپنا سب کچھ قربان کر دیا، حتیٰ کہ اپنے خونی رشتہ داروں، اپنے عزیز واقارب اور اپنے دوست احباب کے خلاف تلواریں اٹھائیں۔

اس کے متعلق ہمیں ایک مثال غزوۂ بدر سے ملتی ہے۔ غزوۂ بدر میں بھائی بھائی کے خلاف، باپ بیٹے

Marfat.com

کے خلاف، بھتیجا چچا کے خلاف، بھانجا ماموں کے خلاف اور دوست دوست کے خلاف نبرد آزما تھا۔ (اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے نوازا) جنگ کے بعد ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اُن کے صاحبزادے ملے اور کہا کہ ابا جان معرکہ بدر والے دن ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ آپ میری تلوار کی زد میں تھے، میں آپ پر تلوار چلانے ہی لگا تھا کہ اچانک مجھے خیال آیا کہ دشمن ہونے کے باوجود آپ میرے باپ بھی ہیں اور اسی خیال کے تحت میں نے آپ پر تلوار نہیں چلائی۔ یہ سن کر جناب صدیق اکبرؓ نے فرمایا "اے میرے بیٹے! قسم ہے مجھے اُس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر اس دن تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو میں قطعاً یہ خیال نہ کرتا کہ تم میرے بیٹے ہو، میں تم پر ایسے ہی تلوار چلاتا جیسے میں اسلام کے دشمنوں پر چلا رہا تھا"۔

تو ثابت ہوتا ہے کہ ایسا صرف اور صرف اس لیے ممکن ہو سکا کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اُن کے لیے واضح نصب العین اور ایک روشن منزل کا تعین ہو گیا تھا اور دین اسلام کی برکت سے اُن کے اعتماد و یقین، ان کے سوچنے، سمجھنے، مشاہدہ کرنے، غور کرنے، فیصلہ کرنے اور پھر عمل کرنے کی صلاحیت و قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا اور انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ حقیقت کیا ہے اور حق کا رستہ کون سا ہے؟ چنانچہ انھوں نے بے چوں و چرا اپنے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں اور اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کرتے ہوئے اپنا ہر فیصلہ اور اپنا ہر عمل اپنے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اپنے آقا جناب حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کیا۔

انھوں نے اپنی جانیں دے دیں اور اپنا سب کچھ قربان کر دیا لیکن کوئی بھی ایسا عمل نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ چنانچہ اس طرح انھوں نے دنیا و آخرت میں فلاح پائی اور یہی وہ نسخہ ہے جو رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور دوسرے انسانوں کے لیے عموماً ہدایت، کامیابی اور فلاح کا ضامن ہے۔

پچھلے صفحہ میں میں نے دو الفاظ استعمال کیے تھے: (۱) مٹا ہوا ہونا (۲) رد کیا ہوا ہونا

Marfat.com

معنوی اعتبار سے دونوں الفاظ تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات عملاً ان میں اتنا ہی فرق آ جاتا ہے جتنا دریا کے دونوں کناروں میں ہوتا ہے۔ مثلاً جب یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں انسان تو بہت مٹا ہوا ہے، اُس کے اخلاق بلند ہیں، وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھتا ہے، اُس میں غرور نہیں اور وہ ہر بات اور ہر کام میں اپنی نفسانی خواہشات کی نفی کرتے ہوئے اپنے نفس اور اپنی نفسانی خواہشات کو رد کرتا جاتا ہے۔

اب یہ بات قابلِ غور ہے کہ مٹا ہوا ہونا تو پہلے ہی بہت اچھی بات ہے اور اپنی ہر قسم کی نفسانی خواہشات کو رد کرنا اور بھی اچھی بات ہے لیکن اگر یہ لفظ یوں استعمال کیا جائے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور وہ رد کیا گیا! اس لیے اُسے جنت سے نکال دیا گیا تو (اس رد کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے)؟

میری اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو مٹا ہوا بناتے ہوئے پہلی قسم کے رد پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور دوسری قسم کے رد سے بچاتے ہوئے وہ رستہ دکھائے جو وہ اپنے انعام یافتہ لوگوں کو دکھاتا ہے اور ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)

یہ بات ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات حضور پاک ﷺ کی تشریف آوری کے لیے تخلیق فرمائی اور باقی تمام پیغمبر اور الہامی مذاہب ایک سلسلہ کی کڑی تھے جن کا اختتام حضور پاک ﷺ اور دینِ اسلام پر پہنچ کر ہونا تھا (اور پھر ہوا)۔ یہ بات بھی ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ دیگر تمام پیغمبر، الہامی مذاہب اور الہامی کتب بھی ہمارے لیے انتہائی قابلِ احترام ہیں لیکن حضور پاک ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے یہ بات ہمارے لیے انتہائی قابلِ فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب حضور پاک ﷺ کو تمام انبیاء و رسل کا سردار بنایا اور یہ شرف جناب حضور پاک ﷺ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔

جناب حضور پاک ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے دنیا کے حالات عموماً اور عرب کے حالات خصوصاً دگرگوں تھے۔ ہر طرف تباہی اور فتنہ و فساد ہی نظر آتا تھا۔ جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی، قتل،

Marfat.com

شراب نوشی، جوا، ریا کاری، فضول خرچی، وعدہ خلافی، لڑائی جھگڑے، عیاشی، غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت، بدکاری، اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا وغیرہ معمول تھا۔ عرب قوم کی یہ حالت تھی کہ بلا کے عیاش تھے! آپس میں معمولی، معمولی باتوں پر لڑ پڑتے اور یہ لڑائیاں کئی کئی سالوں تک جاری رہتیں۔ نیز اس وقت دنیا میں ہر طرح کی کرپشن ہو رہی تھی۔

عربوں کی مذہبی حالت یہ تھی کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا سفارشی سمجھتے تھے اور اُن کی پوجا کرتے تھے۔ کعبۃ اللہ میں انھوں نے 360 بتوں کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ وغیرہ کی تصویریں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ حال یہ تھا کہ ایک ہی گھر میں کوئی بت پرست ہوتا، کوئی عیسائی اور کوئی لامذہب گویا فکری افراتفری کا عالم تھا۔

خانہ کعبہ کو اُن لوگوں نے کاروبار کا ذریعہ بنایا ہوا تھا۔ حج کے دنوں میں جو قبائل طوافِ کعبہ کے لیے آتے اُن سے باقاعدہ نذرانے وصول کیے جاتے۔ بت پرستی کے علاوہ عرب سالانہ حج کا تہوار بھی مناتے، طوافِ کعبہ اور وقوفِ عرفات کی پابندی بھی کرتے لیکن انھوں نے طرح طرح کی بدعتیں اور رسمیں بھی ایجاد کر رکھی تھیں اور دینِ ابراہیمیؑ کو کیا سے کیا بنا دیا تھا (قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ اور دینِ ابراہیمیؑ کے متعلق فرمایا گیا ہے "حضرت ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی بلکہ وہ تو ہر باطل سے جدا (اور سچے) فرمانبردار مسلم تھے اور وہ مشرکوں میں سے بھی ہرگز نہ تھے۔ یقیناً سچی نسبت کے لحاظ سے تمام لوگوں کی مقابلے پر ابراہیم سے زیادہ قریب وہ لوگ تھے جنھوں نے اُس کی پیروی کی تھی اور اب یہ نبی (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) اور اس کے ماننے والے اس نسبت کے زیادہ حق دار ہیں اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا حامی اور پروردگار ہے"

(آل عمران آیت 66-68)

الغرض دنیا اُس وقت تباہی کے گڑھے کے کنارے پر کھڑی تھی۔ لیکن عرب کے گمراہ لوگوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو راہِ حق اور صراطِ مستقیم کے متلاشی تھے۔ یہ لوگ نہ تو بت پرست تھے اور نہ ہی کسی اور دین سے وابستہ تھے! لیکن ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے،

Marfat.com

صحیح بات چھپی ہوئی ہے جس کو ظاہر ہونا ہے۔ یہ لوگ اپنا شمار دینِ ابراہیمؑ کے پیروکاروں میں کرتے تھے ایسے لوگوں میں ان لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔

۱) قس بن ساعدہ ۲) ورقہ بن نوفل

۳) عبیداللہ بن جحش ۴) عثمان بن حویرث

۵) زید بن عمرو بن نفیل

اور جناب حضور پاک ﷺ کے ساتھیوں میں یہ حضرات حق کی تلاش میں تھے۔

۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ

۲) حضرت حکیم بن حزام

۳) ضماد بن ثعلبہ

یہ تمام افراد جس حق کی تلاش میں تھے وہ حق کیا تھا؟ تو وہ حق آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک اور دینِ اسلام تھا اور یہ وہ حق تھا کہ جس کے ظاہر ہونے کی نشانیاں کئی سو سال پہلے ہی دوسری الہامی کتابوں میں بیان فرمادی گئی تھیں۔ (سبحان اللہ)

☆..................☆☆..................☆

Marfat.com

عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد ﷺ پہ اجارہ تو نہیں

(کنور مہندر سنگھ بیدی)

جناب حضور پاک ﷺ کے والدِ محترم کا نام حضرت عبداللہ، والدہ محترمہ کا نام حضرت آمنہؓ بنت وہب اور دادا محترم کا نام حضرت عبدالمطلب تھا۔ آپ ﷺ کا تعلق قریش کے ایک معزز و محترم قبیلہ بنو ہاشم سے تھا۔ آپ ﷺ کے والدِ محترم آپ ﷺ کی پیدائش مبارک سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ 12 ربیع الاول (20 اگست 570ء) بروز پیر صبح کے وقت آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی والدہ شفاء آپ ﷺ کی دایہ تھیں۔

آپ ﷺ کے دادا آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد آپ ﷺ کو خانہ کعبہ لے گئے، وہاں آپ ﷺ کے لیے دعا فرمائی اور پھر آپ ﷺ کو واپس لا کر والدہ محترمہ کے سپرد کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ (تعریف کیا گیا) رکھا۔ آپ ﷺ کے آباؤ واجداد میں یہ نام کسی کا بھی نہیں تھا۔ اس لیے لوگوں نے حضرت عبدالمطلب سے یہ نام رکھنے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے فرمایا ''مجھے امید ہے کہ تمام اہل زمین ہمیشہ ان ﷺ کی مدح کریں گے'' اسی طرح ایک دفعہ آپ ﷺ کی والدہ محترمہ نے بھی آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ'' بخدا آپ ﷺ پر شیطان کو ہرگز قدرت حاصل نہیں ہو سکتی کیوں کہ آپ ﷺ کی شان ہی نرالی ہے''۔

جب حضور پاک ﷺ کی عمرِ مبارک تقریباً چھ سال کو پہنچی تو آپ ﷺ کی والدہ محترمہ انتقال فرما گئیں۔ حضرت آمنہؓ کی عمرِ مبارک اُس وقت تقریباً تیس سال تھی۔ آپ ﷺ کی والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی کفالت کا ذمہ لے لیا۔ حضرت عبدالمطلب آپ ﷺ سے بے انتہا محبت فرماتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے متعلق اکثر فرماتے "خدا کی قسم! میرے بچے کی بڑی شان ہونے والی ہے" جب سیف بن یزن نے حبشہ فتح کیا تو آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہو چکی تھی۔ حضرت عبدالمطلب جو قریش کے سردار تھے وہ بھی سیف کو ملنے اور اُسے مبارک باد دینے کے لیے تشریف لے گئے اور کئی روز وہاں قیام فرمایا۔ ایک دن سیف نے آپ کو بلوا کر رازدارانہ انداز میں کہا کہ "میں اس مخفی علم اور پوشیدہ کتاب میں جسے ہم نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے اور اپنے سوا دوسروں سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ ایک عظیم الشان خبر اور بہت بڑی بلندی و مرتبہ کا ظہور پاتا ہوں" پھر اس نے آپ ﷺ کے ظہور کی ایک ایک کر کے تمام علامتیں اور نشانیاں بیان کیں۔ سیف بن یزن نے کہا:

☆ تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ اُس کے شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کی مہر ہوگی۔ اُسے قیامت تک سارے عالم کی سرداری حاصل ہوگی۔

☆ اُس بچے کی ولادت کا یہی زمانہ ہے اور ممکن ہے وہ پیدا ہو چکا ہو۔

☆ اُس کے والدین وفات پا جائیں گے اور اُس کے دادا اور چچا پرورش کریں گے۔

☆ وہ روئے زمین کے بہترین علاقوں کو فتح کرے گا، لوگ اُس کے اعوان و انصار کی مثال دیا کریں گے۔

☆ وہ عام ادیان کو باطل قرار دے گا۔ بتوں کو توڑ ڈالے گا۔ خدائے رحمٰن کی عبادت کرے گا۔ اس کا قول محکم اور قطعی فیصلہ کن ہوگا۔

☆ وہ بھلائیوں کا حکم دے گا اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوگا۔ برائیوں سے منع کرے گا اور خود بھی رکے گا۔

Marfat.com

جب سیف کو معلوم ہوا کہ وہ بچہ حضرت عبدالمطلب کے گھرانے میں تشریف لا چکا ہے تو اُس نے حضرت عبدالمطلب کے وفد کی بڑی پذیرائی کی اور خصوصاً حضرت عبدالمطلب کو دس گنا زیادہ تحائف وانعام سے نوازا۔

جناب عبدالمطلب کے انتقال کے بعد آپ ﷺ اپنے چچا جناب حضرت ابوطالبؓ کی کفالت میں تشریف لے گے۔اس وقت آپ ﷺ کی عمرِ مبارک تقریباً آٹھ سال تھی۔ حضرت ابوطالبؓ بہت نیک دل، فراخ حوصلہ، کثیر العیال اورغریب تھے۔ وہ جناب حضور پاک ﷺ سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اور آپ ﷺ کی برکات آپ کے بچپن ہی سے دیکھ رہے تھے اس لیے انھیں آپ ﷺ سے ایک خاص اُنس پیدا ہو گیا تھا۔

ایک دفعہ وادیء مکہ میں قحط پڑ گیا تو حضرت ابوطالب آپ ﷺ کو خانہ کعبہ لے گئے اور آپ ﷺ سے دعا کروائی۔ دعا سے قبل آسمان پر بادلوں کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا دعا فرماتے ہی بادل گھر آئے اور موسلادھار بارش شروع ہو گئی اور ندی نالے بہہ گے۔ ایک مرتبہ قحط سالی کے دوران حضرت عبدالمطلب نے بھی آپ ﷺ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر دعا کی تھی جو اسی وقت قبول ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش ہو گئی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین بھی آپ ﷺ کے واسطے سے دعا مانگا کرتے تھے۔

بچپن ہی سے آپ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ کام کرتے تھے۔ ابتدائی عمرِ مبارک میں آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں، آپ ﷺ کسی بھی لمحہ اپنے چچا کے لیے بار نہ بنے بلکہ آپ ﷺ کی وجہ سے اُن کے گھرانے پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہونے لگیں۔ قرآنِ پاک میں بار بار آیا ہے کہ ''وہ اہلِ کتاب جن کو توریت وانجیل کا ٹھیک علم ہے وہ آپ ﷺ کو خوب جانتے ہیں اور اپنی اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کا نام مبارک لکھا ہوا پاتے ہیں''۔ قرآن پاک کے بیان کے مطابق تاریخ میں ہمیں ایسی زندہ مثالیں ملتی ہیں۔

582ء میں جب آپ ﷺ کی عمرِ مبارک 12 سال کو پہنچی تو آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کے ہمراہ سفرِ شام کیا۔ آپ ﷺ کے قافلہ نے شام کے قصبہ بصریٰ میں پڑاؤ ڈالا جو رومانیہ کے زیرِ حکومت

Marfat.com

تھا۔ وہاں آپ ﷺ کی ملاقات عیسائی مذہب کے ایک مشہور و معروف پادری اور عالم بحیرا سے ہوئی۔ بحیرا نے دیکھا کہ حضور پاک ﷺ پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کیے ہوئے ہے، جہاں وہ تشریف لے جاتے وہ ٹکڑا ساتھ ساتھ چلتا۔ اُس نے اور بھی نشانیاں دیکھیں جس سے اُسے قافلہ والوں کی طرف رغبت ہوئی اور اُس نے اُن کی دعوت کی۔ جب اُس کی نظر حضور پاک ﷺ پر پڑی تو غور سے دیکھنے لگا پھر آپ ﷺ سے چند سوالات کیے، آپ ﷺ نے جوابات دیے تو انھیں انجیل کی پیش گوئیوں کے مطابق پایا۔ پشت پر مہرِ نبوت بھی دیکھی پھر حضرت ابوطالب سے کہا ''اپنے اس بھتیجے کو فوراً وطن واپس لے جایئے اور ان کے متعلق یہودیوں سے ہوشیار رہیے۔ خدا کی قسم! اگر انھوں نے انھیں پہچان لیا اور جو علامات میں نے دیکھی ہیں اگر وہ بھی پہچان گئے تو ضرور ان کے درپے ہو جائیں گے کیوں کہ ان کا عظیم الشان مستقبل ہونے والا ہے'' (یہودیوں کے متعلق جو خطرات تھے وہ بعثت کے بعد سامنے آئے تا آنکہ اُن کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا گیا، اُمتِ محمدیہ ﷺ سے اُن کی یہ دشمنی اب تک جاری ہے اور اس وقت دنیا میں اُن سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی دشمن نہیں)

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو متحد ہونے کی توفیق عطا فرمائے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اگر حضور پاک ﷺ کی نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کی زندگی کا موازنہ کیا جائے تو ان میں کہیں بھی کوئی بھی فرق نظر نہیں آتا۔ آپ ﷺ نبوت سے پہلے بھی صلہ رحمی فرماتے، یتیموں، محتاجوں، ضرورت مندوں، بچوں اور بیماروں کی خبر گیری اور کفالت فرماتے، بے روزگاروں کی مدد فرماتے اور مہمانوں کی خاطر مدارت فرماتے، لوگ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے۔ آپ ﷺ کی رحمت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ انسان تو انسان، جانوروں اور ہر جاندار چیز پر بھی اور ہر بے جان چیز پر بھی ظلم کرنے سے منع فرماتے اور جو لوگ بچیوں کو زندہ دفن کرنے لگتے تو

Marfat.com

آپ ﷺ اُن سے بچیاں لے کر خود اُن کی پرورش فرماتے۔

آپ ﷺ کے رحمت اللعالمین ہونے کا ثبوت ہمیں اُس وقت بھی ملتا ہے جب آپ ﷺ کی عمرِ مبارک صرف 20 سال تھی اور آپ ﷺ نے جنگِ فِجار میں شرکت فرمائی۔ اس جنگ میں آپ ﷺ نے بادلِ نخواستہ شرکت فرمائی کیوں کہ آپ کو کشت وخون سے طبعاً نفرت تھی اور نوعِ انسانی کی اصلاح کے لیے آپ ﷺ نے جو غزوات یا جہاد کیے ان میں کم سے کم جانیں ضائع کر کے آپ ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی (اور آج دنیا کے جو حالات ہیں وہ سب آپ کے سامنے ہیں)۔

جنگِ فجار قریش، قبائل کنانہ اور ہوازن کے درمیان ہوئی۔ یہ جنگ 580ء سے 590ء کے درمیان عرب کے مختلف قبائل کے درمیان لڑی گئی، اس کے چار دور ہوئے۔ چوتھے دور میں قریش، قبائل کنانہ اور ہوازن کے درمیان جنگ ہوئی۔ جب قریش جنگِ فجار سے واپس آئے تو انھوں نے ایک معاہدہ کیا جس میں حضور پاک ﷺ نے بحیثیت قائد کے شرکت فرمائی۔ اس معاہدے کے الفاظ یہ تھے "خدا کی قسم! ہم لوگ مظلوم کا اس وقت تک ساتھ دیتے رہیں گے جب تک کہ دریا ان کو تر رکھے گا (یعنی ہمیشہ ہمیشہ) اور معاشرے میں ایک دوسرے کی ہمدردی وغمگساری کیا کریں گے" یہ معاہدہ مظلوم کی دادرسی اور باہمی ہمدردی وغمگساری کا معاہدہ تھا جس میں آپ ﷺ نے جوانی میں شرکت فرمائی۔ اس معاہدہ سے آپ ﷺ کے طبعی میلان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے! یہ معاہدہ تاریخ میں "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ﷺ نے اس معاہدے کو بہت پسند فرمایا۔

595ء میں جب آپ ﷺ کی عمرِ مبارک 25 سال ہوئی تو حضرت ابو طالب کی ایماء پر قریش کی ایک معزز ومحترم اور امیر خاتون حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کا سامان بطور تجارت لے کر ان کے غلام میسرہ کے ہمراہ شام کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ آپ ﷺ کا شام کی طرف دوسرا سفرِ مبارک تھا۔ جب آپ ﷺ شام کے شہر بصریٰ پہنچے تو وہاں آپ ﷺ کی ملاقات نسطورا پادری سے ہوئی۔ نسطورا نے بھی آپ ﷺ کے حالات وعلامات سے آپ ﷺ کو پہچان لیا کہ آپ ہی (نبی آخر الزماں) ہیں۔ اُس نے کچھ حالات غلام میسرہ سے بھی دریافت کیے اور پھر کہنے لگا کہ "یقیناً یہ نبی اور آخری نبی ہیں"۔

Marfat.com

اب آپ خود ہی اپنے آقا و حبیبِ خدا جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت دیکھیے کہ اُن کی تشریف آوری سے کئی سو سال قبل ہی تقریباً تمام الہامی کتابوں میں آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمایا دیا گیا تھا اور یہ آپ ﷺ ہی کی عظمت ہے کہ کائنات کی تخلیق اور دنیا کی یہ محفل آپ ﷺ ہی کی تشریف آوری کے لیے سجائی گئی اور ہر پیغمبر و نبی کے ذمہ یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ اپنی اپنی اُمت کو عقیدۂ توحید، رسالت، آخرت اور عبادات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی تشریف آوری اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی اطلاع و خبر بہم پہنچاتے رہیں۔ (سبحان اللہ)

ایسی عزت، ایسا مرتبہ اور ایسی قدرت و منزلت کسی اور کے حصے میں کہاں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ باقی تمام الہامی مذاہب، الہامی کتب اور پیغمبر بھی ہمارے لیے از حد قابلِ احترام ہیں، جس کا ثبوت ہمیں اس بات سے ملتا ہے کہ کوئی بھی انسان اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ پر، اللہ تعالیٰ کی فرشتوں پر، الہامی کتابوں پر، اللہ تعالیٰ کے مختلف وقتوں میں بھیجے گئے تمام پیغمبروں پر، قسمت پر اور آخرت پر ایمان نہ لے آئے ان میں سے اگر کسی پر بھی ایمان ڈگمگا جائے تو آپ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کتنا متوازن مذہب ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ باقی تمام پیغمبر (ان کی تعلیمات)، الہامی مذاہب اور الہامی کتب دراصل دینِ اسلام ہی کے سلسلہ کو آگے بڑھانے کی کڑی تھے جن کا اختتام جناب حضور پاک ﷺ اور دین اسلام پر پہنچ کر ہونا تھا اور پھر ہوا۔ فرق یہ ہے کہ پہلی امتوں نے ایک تو اپنے نبیوں کی تعلیمات کو محفوظ نہ کیا اور دوسرے یہ کہ پہلی امتوں نے اپنے اپنے نبیوں کی تعلیمات اور اپنی اپنی الہامی کتابوں میں اپنی اپنی مرضی، خواہشات اور مزاج کے مطابق تبدیلیاں کر لیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا ہے اور تمام نبیوں و رسولوں کے سلسلہ کو آپ ﷺ پر پہنچ کر ختم ہونا تھا اس لیے آپ ﷺ کی مکمل و جامع تعلیمات محفوظ ہیں اور قرآنِ پاک کی حفاظت کا ذمہ چونکہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اس لیے تمام الہامی کتابوں میں فقط قرآن پاک ہی بالکل اپنی اصل حالت میں (زیر و زبر کی غلطی

Marfat.com

کے بغیر) موجود ہے اور تا قیامت رہے گا۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں تو دین صرف اسلام ہی ہے'' (ال عمران: ۱۹) اور یہ کہ اسلام ہی راہِ حق ہے اور ہمیشہ سے غالب آنے والا دین ہے۔

جناب حضور پاک ﷺ کی شان کا اعتراف ہر دور میں غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ جس کا ثبوت ہمیں کچھ یوں ملتا ہے کہ عہدِ حاظر کے ایک مصنف ڈاکٹر ہارٹ نے تاریخ کی سو عظیم شخصیات میں آپ ﷺ کو سرِ فہرست رکھا ہے اور وہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''قارئین میں سے ممکن ہے کچھ لوگوں کو تعجب ہو کہ میں نے دنیا جہاں کی موثر ترین شخصیات میں سے حضور پاک ﷺ کو سرِ فہرست کیوں رکھا ہے اور مجھ سے اس کا جواز طلب کر سکتے ہیں حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں صرف وہی ایک انسان تھے جو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب و کامران اور سرفراز ٹھہرے''۔

ایک اور مصنف لامارٹن کے مطابق ''اگر مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور حیرت انگیز نتائج ان باتوں کو انسانی تعقل و تفکر کا معیار مانا جائے تو کون ہے جو تاریخ کی کسی جدید یا قدیم شخصیت کو جناب محمد ﷺ کے مقابل لانے کی ہمت کر سکے۔ لوگوں کی شہرت ہوئی کہ انہوں نے فوجیں بنا ڈالیں، قوانین وضع کرائے اور سلطنتیں قائم کر ڈالیں، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ انہوں نے حاصل کیا کیا صرف مادی قوتوں کی جمع پونجی؟ وہ تو اُن کی آنکھوں کے سامنے لُٹ گئی، بس صرف یہی ایک انسان ایسے ہیں جنہوں نے یہی نہیں کہ فوجوں کو مرتب کیا، قوانین وضع کیے اور مملکتیں، سلطنتیں قائم کیں بلکہ اُن کی نظر کیمیاء اثر نے لاکھوں تنفس ایسے پیدا کر دیئے جو اُس وقت کی معلوم دنیا کی ایک تہائی آبادی پر مشتمل تھے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے قربان گاہوں کو، خداؤں کو، دین و مذہب کے پیروکاروں کو، خیالات و افکار کو، عقائد و نظریات کو بلکہ روحوں تک کو بدل ڈالا۔

پھر صرف ایک کتاب کی بنیاد پر جس کا لکھا ہوا ہر لفظ قانون تھا ایک ایسی روحانی اُمت کی تشکیل کر دی گئی جس میں ہر زمانے، وطن اور قومیت کا حامل فرد موجود تھا۔ وہ ہمارے سامنے

Marfat.com

مسلم قومیت کی ایک نا قابلِ فراموش خصوصیت یہ چھوڑ گئے کہ صرف ایک اَن دیکھے خدا سے محبت اور ہر معبود باطل سے نفرت۔

اسی طرح ایک اور مصنف لنڈ سے لکھتے ہیں ''جہالت! جس کا مظاہرہ اکثر و بیشتر مسیحیوں کی طرف سے مسلمانوں کے مذہب کے بارے میں ہوتا رہتا ہے افسوسناک امر ہے۔ محمد ﷺ اس وقت کی اقوام میں ایک خدا پر یقین رکھتے تھے اور دوسرے خداؤں کی نفی کرتے تھے۔ انہوں نے بہ تاکید راست بازی اور دین داری کو کردار کا سرچشمہ قرار دیا اور بدرجہ فرض متعدد نمازوں کی، حی و قیوم خدا کے لئے ادائیگی، تمام انسانوں کی عزت و احترام اور سب کے ساتھ رحم و شفقت برتنے پر زور دیا۔ ہر قسم کی نشہ آور چیزوں سے پرہیز، ہر معاملے میں عدل و توازن اور ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے کی تلقین اُن کے دین و مذہب کا حصہ تھی، لہٰذا محمد ﷺ ایک روحانی قوت کے مالک اور ایک سچے رسول تھے۔ مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ خدا سے ہمکلام ہوتے تھے اور سرچشمہ رُوحانی سے اُن پر وحی اُترتی تھی''

شیش چندر سکینہ بھی کہتے ہیں۔

یہ ذاتِ مقدس تو ہر انسان کو ہے محبوب
مسلم ہی نہیں وابستہ دامانِ محمد ﷺ

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اعتراف اِن کے علاوہ بھی کئی دوسرے غیر مسلم مصنفین نے کیا ہے لیکن جہاں آپ کی عظمت کا اعتراف کیا گیا ہے وہاں نام نہاد قسم کے اعتراضات بھی کیے گئے ہیں، لیکن اِن اعتراضات میں بھی حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکا ہے جس کی مثال ہمیں کچھ یوں ملتی ہے کہ آکسفورڈ کے معروف پروفیسر مارگولیتھ نے سیرت پر جو کتاب لکھی ہے اِس میں ہر واقعہ کو بگاڑ کر اپنی مرضی کے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے تاہم وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکا کہ حضور پاک ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ عزت ہے۔

Marfat.com

اس کے علاوہ جس قسم کے بھی عجیب و غریب اعتراضات غیر مسلموں نے کیے ہیں اگر اُن کا مطالعہ دنیا کے کسی بھی مذہب کا کوئی بھی انسان انصاف کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر کرے تو یہ بات چیلنج کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ یقیناً اعتراف کرے گا کہ یہ تمام باتیں تعصب کے قلم سے لکھی گئی ہیں جن کی نہ تو کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی کوئی حیثیت اور نہ ہی اِن کی تفصیلات میں جانے کی کوئی وجہ ہے یا سوال، کیوں کہ جب چاند چمک رہا ہوتا ہے تو ساری دنیا چاند کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ خواہ کوئی چاند کی طرف کمر کر کے بھی کھڑا ہو جائے تو تب بھی چاند کی چاندنی اور روشنی اُس تک پہنچتی رہتی ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ چاند کو دیکھنے کے لیے سر ہمیشہ اوپر کی طرف اٹھانا پڑتا ہے کیوں کہ بلندیاں اور نور پھیلانا اُس کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنی نشانیوں پر غور کرنے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆..................☆☆..................☆

Marfat.com

کردار

کردار! یہ لفظ لکھنے میں چھوٹا، پڑھنے میں آسان، سمجھنے میں توجہ طلب اور عمل کرنے میں اِک مکمل امتحان ہے، لیکن عمل کرنے والوں کے لیے سوچ کے نئے جہاں کھولتا جاتا ہے اور آسان سے آسان تر ہوتا جاتا ہے اور عمل نہ کرنے والوں کے لیے یہاں ہر چیز گھمبیر ہوتی جاتی ہے اور مشکلیں آسانی سے اُن پر تسلط کرتی جاتی ہیں۔

لفظ (کردار) کی منطق کچھ عجیب سی ہے اور اِس کے معانی دومختلف اطراف میں ہماری رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں مثلاً اگر یوں کہا جائے کہ فلاں شخص کا کردار بہت اچھا ہے اور فلاں شخص کا کردار اچھا نہیں ہے تو آپ غور کریں کہ لفظ تو ایک ہی کردار استعمال ہو رہا ہے لیکن جس کسی کے بھی ساتھ اچھے کردار کا لفظ استعمال ہو رہا ہو، خواہ وہ کوئی بھی ہو تو اُس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا نظر آتا ہے اور جس کسی کے بھی ساتھ کردار کے اچھے نہ ہونے یا برے کردار کا لفظ استعمال ہو رہا ہو، خواہ وہ کوئی بھی ہو تو میرے خیال میں اُس کی قدر و منزلت کی ناؤ ڈگمگا رہی ہوتی ہے (جیسا کہ رات کی سیاہی میں کوئی رحمتیں حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو جاتا ہے اور کوئی لعنتیں، جیسا کہ ایک ہی والدین کی اولاد میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے) اِسی طرح لفظ ایک ہی (کردار) استعمال ہو رہا ہوتا ہے لیکن اِس کے اچھے یا برے ہونے کی وجہ سے اِس کا اثر مندرجہ بالا دونوں افراد کی شخصیات پر مختلف انداز میں ہو رہا ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں افراد کا کردارخواہ کسی ڈرامے میں اچھا یا برا ہو یا ان کے دفتر میں اُن کا کردار اچھا یا برا ہو یا اُن کی معاشی، معاشرتی، سماجی اور گھریلو زندگی میں اُن کا کردار اچھا یا برا ہو یا نفسانی خواہشات کے متعلق اُن کا کردار اچھا یا برا ہو نتیجتاً آپ زندگی کا کوئی شعبہ لے لیں (اس میں فرد کی کوئی خاص اہمیت نہیں) اگر آپ کا کردار اچھا ہو تو آپ کی شخصیت مضبوط و متوازن، زندگی کامیاب و کامران اور امتحانِ آخرت میں آپ کے لئے آسانیاں ہی آسانیاں ہوں گی (اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر سختی سے کاربند رہنے والے اسی مضبوط اور اچھے کردار والے کے متعلق علامہ محترم نے بھی فرمایا تھا کہ:

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
اس کی امیدیں قلیل ، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب ، اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو ، پاک دل وپاک باز
خاکی ونوری نہاد، بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی ، اسکا دل بے نیاز

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی فرمایا تھا کہ (انسان خود عظیم نہیں ہوتا بلکہ اِس کا کردار عظیم ہوتا ہے) اور اگر آپ کے کردار میں لغزش ہو تو پھر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی رسوائی پیر پیر پر آپ کا مقدر ہو جائے تو گلہ وشکوہ کا سوال کیا؟ لیکن وہ معاف کرنیوالا غفور الرحیم ہے! سچی اور پکی توبہ کرنے والوں کو۔ میری اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ میری اور آپ سب کی پچھلی کوتاہیوں کو معاف فرماتے ہوئے ہمیں سچی و پکی توبہ کرنے والا بنائے اور ہر لمحہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھتے ہوئے ہدایت وکامرانی کے رستے پر گامزن رکھے (آمین)

☆............☆☆............☆

Marfat.com

نفس

ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

''سمجھدار آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے اور ناسمجھ آدمی وہ ہے جو نفس کی خواہشوں پر چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا معاف فرمانے والا ہے'' (ترمذی)

نفس! یہ بھی ایک چھوٹا سا لفظ ہے لیکن میں حیران ہوں کہ اس کے اتنے معانی ہیں اور اس چھوٹے سے لفظ کے حضرت انسان کی زندگی پر اتنے شدید اثرات ہیں کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا اور اگر کسی کو سوچنے کی توفیق عطا ہو جائے تو وہ پھر ان سوچوں سے نکل نہیں سکتا کیوں کہ مجھے پختہ یقین ہے کہ نفس و کردار کا انسان کی دنیاوی اور پھر آخروی زندگی کی کامیابی یا ناکامی پر انتہائی زیادہ اثر ہے۔ کیوں کہ میرے علم، میری عقل، میری معلومات اور میرے محدود و مختصر تجربے کے مطابق نیکی و بدی کا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا سرچشمہ انہی سے نکلتا ہے اور اگر میری طرح کا تھوڑے علم، کم عقل، ناقص معلومات اور محدود و مختصر تجربے والا شخص بھی اگر نفس و کردار کی تعریف یا ان پر غور کرنے بیٹھ جائے تو پھر وہ مشکل ہی سے کسی اور طرف متوجہ ہو سکے گا۔

کوئی بزرگ تھے وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''جنت انسان سے دو قدم کے فاصلے پر ہے ایک دن کسی نے ان سے پوچھا وہ کیسے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر انسان اپنا ایک

Marfat.com

قدم نفس پر رکھ لے تو اُس کا دوسرا قدم یقیناً جنت میں ہوگا''۔

کہانی کچھ یوں شروع ہوتی ہے کہ ایک بچہ (خواہ وہ لڑکی ہو یا لڑکا) پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ نشوونما پاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا نفس اور کردار بھی نمو پاتے ہیں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ نفس اور کردار ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ کیوں ہیں؟ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ نفس اور کردار ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں کیونکہ انسان کا کردار اس کے نفس کے مرہونِ منت ہوتا ہے، اگر آپ کو اپنے نفس پر قابو ہو (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے) تو آپ کا کردار خوب صورت اور مضبوط ہوگا اور اگر آپ کا نفس آپ پر حاوی ہو (آپ کی اپنی کمزوری کی وجہ سے) تو پھر آپ کا کردار قابلِ نفرت وقابلِ گرفت ہوگا۔

جناب حضور پاک ﷺ بچوں سے بے پناہ محبت فرماتے تھے (خواہ وہ بچے مسلمانوں کے ہوتے یا غیر مسلموں کے) ایک مرتبہ کسی غزوہ میں مشرکین کے چند بچے زَد میں آ کر ہلاک ہو گئے تو حضور پاک ﷺ کو سخت دکھ ہوا، بعض صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ تو مشرک بچے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا''مشرک بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو، ہر جان اللہ تعالیٰ ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے''(بخاری، کتاب الجنائز) (اور یہ بات انسانوں کے لیے درسِ انسانیت بھی ہے)۔ اس طرح ثابت ہوا کہ چھوٹے بچے معصوم ہوتے ہیں، لیکن اصل امتحان اس وقت شروع ہوتا ہے جب یہ بچے جوان ہو جاتے ہیں اور اُن کے ساتھ اُن کا نفس بھی جوان ہو جاتا ہے۔ اب ایک ایسی جنگ شروع ہو جاتی ہے جس کی بنیاد پر ان جوان بچوں کی دینی دنیاوی اور آخروی زندگی کا فیصلہ ہونا ہوتا ہے جب یہ بچے جوان ہو جاتے ہیں تو زندگی اُن کے لیے رنگین وسنگین ہو جاتی ہے اور یہیں سے نیکی اور بدی دونوں قسم کی قوتوں کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی ہے جس کا مرکز ومحور ہوتی ہے اُن جوان بچوں کی ذات۔ جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے اور اس بات کا علم رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش تمام جن وانس، چرند پرند، تمام ذی روح اشیاء، تمام مخلوقات، تمام جہانوں اور اِن میں بسنے والی (جاندار اور بے جان اشیاء) مسلمانوں اور غیر مسلموں پر برس رہی ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہر وجود پر یقیناً برس

رہی ہوتی ہے لیکن اس رحمتِ الٰہی کی بارش سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہر وجود کو اپنی طرف سے محنت کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش تو جاری و ساری ہے لیکن یہاں وجود کی اپنی محنت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا ہے اور علامہ اقبال نے بھی کیا خوب فرمایا تھا کہ:

شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبین

باقی وہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا غفور الرحیم ہے اور کیا معلوم اُس کی نظر میں کون معتبر ہے (لیکن اعمالِ صالح شرط ہیں)۔اس لیے ہمیں ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار مانگنی چاہیے اور ہمیشہ التجا کرنی چاہیے کہ اے اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھتے ہوئے صراطِ مستقیم کا متلاشی بنا دے (آمین)۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش چونکہ ہر وجود پر برس رہی ہوتی ہے لیکن بحیثیت اشرف الخلوقات یہاں پر ہم فقط انسان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش کو زیرِ بحث لائیں گے۔میرے خیال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش سے مراد وہ عقل، وہ شعور، وہ ذہانت، وہ دیکھنے، محسوس کرنے، سوچنے، سمجھنے، مشاہدہ کرنے، پرکھنے اور فیصلہ کرنے کی قوتیں ہیں اور کچھ مزید خفیہ طاقتیں ہیں جو ہر انسان کو بدی سے بچنے اور راہِ ہدایت پر چلنے کو اکساتی ہیں اور ہر انسان کے وجود کے اندر ایک ایسی طاقت اور ایک ایسا جذبہ رکھ دیا گیا ہے جو اسے یہ نصیحت کرتا ہی رہتا ہے کہ فلاں کام نیکی کا ہے اور فلاں بدی کا اور جو انسان کو آئینہ دکھاتا ہی رہتا ہے۔اسے شاید ضمیر کہتے ہیں تو نتیجتاً یہ تمام طاقتیں، یہ تمام قوتیں اور یہ جذبے ہر انسان کو مہیا کیے جاتے ہیں اور انہی کی وجہ سے انسان اشرف الخلوقات اور اللہ تعالیٰ کا نائب کہلاتا ہے لیکن ان تمام طاقتوں، قوتوں اور جذبوں کے باوجود اور انہیں بروئے کار لانے کے لیے ہر انسان کو اپنی ذاتی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔اب دیکھتے ہیں کہ انسان کی یہ ذاتی محنت ہے کیا؟ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو دریاؤں میں لوگوں کے نفع کی چیزیں لے

Marfat.com

کر چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اتارتا ہے اور جس سے زمین مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جاتی ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانوروں کے پائے جانے میں، ہواؤں کے چلانے میں اور ان بادلوں میں جو زمین اور آسمانوں کے درمیان اٹکے رہتے ہیں ایسی نشانیاں ہیں جن پر عقل مند لوگ غور کرتے ہیں" (البقرہ۔164)

قرآن پاک کی 6666 آیات میں سے 756 آیات مشاہدۂ فطرت اور اس پر غور و فکر سے متعلق ہیں، گویا قرآن پاک کا 1/9 حصہ فطرت اور اس پر غور و حوض کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کردہ جملہ اشیاء میں اپنی نشانیاں پنہاں رکھ دیں ہیں تا کہ لوگ اُس کی نشانیوں پر غور و حوض کریں اور علم و حکمت حاصل کر کے دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکیں اور یہی غور، تحقیق، جستجو، ہمت، کوشش، جدوجہد، حوصلہ، صبر، توکل، یقین، خوداعتمادی، عقل، شعور، ذہانت، سوچ، سمجھ، پرکھ، علم، عمل اور پھر قوتِ فیصلہ (ارادہ / نیت) کو بروئے کار لاتے ہوئے بدی کے تمام کاموں سے بچنے کی پوری کوشش کرنا اور نیکی کے کاموں کی طرف راغب ہونے کی پوری و مکمل کوشش کرنا انسان کی ذاتی محنت ہوتی ہے۔اب چند باتیں نفس اور نفسانی خواہشات کے متعلق کرتے ہیں کہ یہ نفس اور نفسانی خواہشات کیا چیزیں ہیں؟ ان کے اثرات انسانی زندگی کے کن کن پہلوؤں پر ہوتے ہیں اور اپنے نفس پر قابو پانے کے لیے انسان کو کس قسم کی محنت درکار ہوتی ہے؟ ان تمام باتوں کا جواب ہمیں اُنہی بچوں کی کہانی سے ملے گا جو جوان ہو چکے ہوتے ہیں۔یہ بات تو طے شدہ ہے کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، قناعت کرتے ہیں اور صبر کرتے ہیں ورنہ اکثریت تو اپنی موجودہ حالت پر کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتی مثلاً اگر کوئی پیدل ہو تو اُس کی نظر سائیکل والے پر ہوگی کہ کاش میرے پاس سائیکل ہوتی، سائیکل والا موٹر سائیکل کے حصول کی تدبیریں کر رہا ہوگا، موٹر سائیکل والے کی آئیڈیل ایک کار ہوگی اور کار والے کی نظریں جہاز والوں پر اور جہاز والوں کی خلا والوں پر ہوں گی، نیز انسان بہتر سے بہترین کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔دنیاوی اعتبار سے ہونا بھی ایسے ہی چاہیے لیکن ان تمام اشیاء کے حصول کے لیے صرف اور صرف

Marfat.com

سچی محنت، صبر، توکل، قناعت، رزقِ حلال پر اصرار اور قسمت پر یقین لازمی ہونا چاہیے، ان اشیاء کے حصول کے لیے کسی قسم کا شارٹ کٹ، بددیانتی، حرام روزی اور اپنی تمام توانائیاں منفی سمت صرف کرنا فقط اپنے آپ کو دین، دنیا اور آخرت مین تباہ کرنے کے مترادف ہوگا اور یہیں سے نیکی اور بدی میں جنگ اور نفس اور نفس پر قابو پانے والی انسان کی ذاتی محنت کے درمیان کھینچا تانی شروع ہو جاتی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے تو یہ نفس صاحب مجھے شیطان مردود ہی کی کوئی شکل نظر آتے ہیں کیونکہ یہ ہمیشہ انسان کی رہنمائی الٹے کاموں ہی کی طرف کرتے اور انسان کو وسوسے ہی ڈالتے نظر آتے ہیں۔

ہم دوبارہ انہی جوان بچوں کی کہانی شروع کرتے ہیں کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتے ہیں تو خواہ وہ پیدل ہوں، سائیکل پر ہوں، موٹر سائیکل پر ہوں یا گاڑی پر ہوں وہ اپنے اردگرد کے معاشرے و ماحول پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو یہاں دو قسم کے لوگ اُن کے سامنے ہوتے ہیں ایک اُن سے اچھی حالت میں اور دوسرے اُن سے قدرے بری حالت میں یہیں سے اُن کا نفس اُن کے ساتھ آنکھ مچولی شروع کر دیتا ہے کہ وہ دیکھو فلاں شخص تم سے اچھی جگہ رہتا ہے اُس کا گھر تمہارے گھر سے اچھا ہے اُس کا سکول، کالج، یونیورسٹی تمہارے سکول، کالج، یونیورسٹی سے بہتر ہے۔ اُس کا لباس تمہارے لباس سے عمدہ ہے، اُس کی بائیک تمہاری بائیک سے مہنگی ہے، اُس کی گاڑی کا ماڈل تمہاری گاڑی کے ماڈل سے نیا اور عمدہ ہے نیز نفس اُنہیں اکساتا ہے کہ تمہارے پاس بھی ویسی ہی چیزیں ہونی چائیں جیسی دوسرے مذکورہ فرد یا افراد کے پاس ہیں۔ اُن کا نفس انہیں ترغیب دیتا ہے کہ تم تمام اچھی سے اچھی چیزیں حاصل کرو خواہ ان کے حصول کے لیے تمہیں کوئی چوری، ڈکیتی یا قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑ جائے یا قانون کے منافی کوئی کام کرنا پڑے یا کوئی بھی کسی قسم کا بھی شارٹ کٹ اختیار کرنا پڑے تو وہ کرو اور ان چیزوں کا حصول ممکن بناؤ۔ اب دوسری طرف آٹومیٹکلی اللہ تعالیٰ کی رحمت (نیکی کی قوت) حرکت میں آجاتی ہے اور ان جوان بچوں کے ذہن میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ یہ درست ہے کہ ان تمام چیزوں پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ دوسروں کا ہے کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں (لفظ نعمتیں پر اگلے صفحات میں بات ہوگی) لیکن پہلے یہ دیکھو کہ ابھی

Marfat.com

اس وقت تم کہاں کھڑے ہو؟ تمہارے پاس جو کچھ ہے اس میں تمہاری ذاتی محنت کی کتنی شرکت ہے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اُس پر بھی اور جو کچھ تمہارے پاس نہیں اُس پر بھی الحمد اللہ کہو اور اپنے سے غریب لوگوں کو دیکھو وہ کہاں کھڑے ہیں؟ لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمام دنیاوی اشیاء کے حصول کے لیے سخت محنت کرو، پڑھو، بہترین علم حاصل کرو اور جس بھی فیلڈ میں ہو اُس میں جان توڑ محنت کرو اور یہ تہیہ کرلو کہ کسی بھی قسم کے کام میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات سے کسی بھی صورت میں روگردانی نہیں کرو گے، اپنا ایمان و یقین پختہ رکھو گے، صبر کرو گے، توکل کرو گے اور سخت محنت کے ساتھ ساتھ وقت کا انتظار کرو گے تو تمہیں دین میں بھی کامیاب کیا جائے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یوں یہ دونوں نیکی اور بدی کی قوتیں زندگی کے ہر لمحے میں اور ہر فیصلے میں ان جوان بچوں کی رہنمائی اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کر رہی ہوتی ہیں، اب تمام بات آ جاتی ہے اُن جوان بچوں پر کیونکہ نفس انہیں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق سبز باغ دکھا چکا ہوتا ہے اور نیکی کی قوت اُن کی رہنمائی نیکی و فلاح کے رستہ کی طرف کر چکی ہوتی ہے۔ اب فیصلہ آ جاتا ہے ان جوان بچوں کے ہاتھ میں، اگر تو وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اپنے نفس کی بات مانتے جاتے ہیں تو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تباہی و پستی ان کا مقدر بن جاتی ہے لیکن وہ ذاتی محنت جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں وہ یہاں بروئے کار لاتے ہوئے اپنے نفس کی تمام خواہشات کو رد کرتے ہوئے اپنے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے نیکی و ہدایت کے رستہ کی طرف نیت و ارادہ باندھ لیتے ہیں اور عمل کرتے ہیں تو انہیں دنیا میں بھی کامیاب کیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی، اس سلسلہ میں امتحانات بھی پیش آتے ہیں اور مشکلات بھی لیکن جو ثابت قدم رہتے ہیں تو پھر اُن کے لیے منزلیں آسان سے آسان تر ہوتی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ انسان کو دنیا میں ترقی کرنے کے لیے اور ان دنیاوی اشیاء کے حصول کے لیے احکامات و تعلیمات کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اور انہیں مدِ نظر رکھتے ہوئے سخت محنت کرنی چاہیے اور اپنے نصیب پر شاکر رہنا چاہیے اور اگر کسی چیز کی خواہش ہو اور وہ نہ ملے تو یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ اتنی زیادہ محنت کے باوجود جو کچھ نہیں ملا اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی

Marfat.com

حکمت پوشیدہ ہوگی اس لیے اس پر اللہ تعالیٰ کا لاکھوں کروڑوں دفعہ شکر اور جو مل گیا ہے اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کا لاکھوں کروڑوں دفعہ شکر کیونکہ میری تو اتنی بھی اوقات نہ تھی، چنانچہ اس طرح بھی نفس کو زیر کیا جا سکتا ہے اور کامیابی کے رستہ پر قدم رکھا جا سکتا ہے۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بعض افراد طبعاً وفطرتاً شریف اور نیک دل ہوتے ہیں، بعض کی طبیعت میں کچھ گڑبڑ ہوتی ہے لیکن ہم دنیا میں عام مثالیں دیکھتے ہیں کہ کچھ وقت یا عرصہ گزرنے کے بعد وہ بھی ٹھیک ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگیاں صراطِ مستقیم پر گزارنے کی کوششیں شروع کر دیتے ہیں اور بعض افراد زندگی کے آخری لمحے تک ڈولتے ہی رہتے ہیں۔ تو جناب پہلی قسم کے لوگ بڑے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں (لیکن اپنی اس تحفہء خداوندی نعمت کو پالش کرنے کے لئے انھیں بھی سخت محنت وکوشش کی ضرورت ہوتی ہے) اور جب وہ اپنی محنت وکوشش کو بروئے کار لاتے ہیں تو اُن کی عقل وذہانت کو تیز اور وسیع کر دیا جاتا ہے اُن کے غور کرنے، مشاہدہ کرنے، سوچنے، سمجھنے، پرکھنے اور پھر فیصلہ کرنے کی طاقت کو مزید جلا بخشی جاتی ہے اور اُن کا ضمیر مزید طاقت ور کر دیا جاتا ہے لیکن اتنا کچھ ہونے کے باوجود زندگی کے ہر لمحے میں انہیں پھر بھی سخت محنت کی قدم قدم پر ضرورت ہوتی ہے چنانچہ زندگی کے ہر لمحے میں اور ہر کام میں نفس کی طرف سے بھی دلائل آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش بھی برسنے لگتی ہے لیکن پھر بھی فیصلہ، نیت، ارادہ اور عمل تو خود انہوں نے ہی کرنا ہوتا ہے، سو پہلی قسم کے لوگ مشاہدہ کرتے ہیں، سوچتے ہیں، سمجھتے ہیں، پرکھتے ہیں اور ضمیر کا مشورہ مانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر غور کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ یہ احکامات وتعلیمات یقیناً اُن کے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہیں، چنانچہ وہ نفس کی باتوں کو ترک کر کے اپنا فیصلہ نیکی وبھلائی کے حق میں کر دیتے ہیں لیکن حقیقتاً اُن کا یہ فیصلہ اُن کے اپنے حق میں ہوتا ہے کیونکہ یہی فیصلہ اور زندگی بھر اسی طرح کے دیگر فیصلے انہیں کامیابی اور فلاح کے رستہ پر لے جاتے ہیں۔ اب بات آجاتی ہے دوسری قسم کے لوگوں کی جو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حق وہدایت کی طرف لوٹتے ہیں! آئیں دیکھتے ہیں کہ اُن کے ساتھ کیا مسئلہ ہوتا ہے؟ ذرا غور کیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن پر بھی برس رہی ہوتی ہے، عقل، شعور، ذہانت، سوچ، سمجھ، پرکھ،

Marfat.com

فیصلہ کی قوت اور ضمیر نیز ہر چیز انہیں بھی عطا کی گئی ہوتی ہے اور یہ تمام چیزیں انہیں قدم قدم پر بتا رہی ہوتی ہیں اور اشارہ دے رہی ہوتی ہیں کہ ہدایت کدھر ہے اور کن کاموں میں ہے، اُس طرف سے تو ڈیوٹی پوری ہو رہی ہوتی ہے لیکن وہ حضرات ڈگمگا رہے ہوتے ہیں۔ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود کبھی نفس کی بات مان لیتے ہیں اور کبھی نہیں مانتے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی محنت کو بروئے کار نہیں لا رہے ہوتے، آپ کو تو معلوم ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے سو ایک طرف سے تو ڈیوٹی پوری ہو رہی ہوتی ہے لیکن بات آ جاتی ہے دوسری طرف یعنی اُن کی اپنی طرف چنانچہ جب وہ اپنی ذاتی محنت استعمال کرتے ہوئے احکامات وتعلیمات پر غور کرتے ہیں، اُن پر عمل کرتے ہیں اور پھر ثابت قدم رہتے ہیں تو تب کہیں جا کر وہ اپنے نفس کو پچھاڑنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور ہدایت اُن کا مقدر بنتی ہے۔ اب آ جاتے ہیں تیسری قسم کے لوگ! سلسلہ اُن کے ساتھ بھی وہی جاری وساری ہوتا ہے، رحمتِ الٰہی اُن پر بھی ویسے ہی برس رہی ہوتی ہے، عقل، شعور، ذہانت، سوچ، سمجھ، پرکھ، فیصلہ کی قوت اور ضمیر الغرض ہر چیز انہیں بھی عطا کی گئی ہوتی ہے (لیکن از حد افسوس انہیں وہ منفی سمت استعمال کر رہے ہوتے ہیں) تیسری قسم کے لوگوں کو بھی ہر لمحہ بتایا جا رہا ہوتا ہے کہ ہدایت وکامیابی کدھر ہے اور کن کاموں میں ہے لیکن بات اُن کی اپنی طرف سے ہی آ کر رہ جاتی ہے، اپنے نفس کی بات تو وہ کان رکھ کر سنتے ہیں لیکن اپنی ذاتی محنت، ہمت اور کوشش کو بروئے کار نہ لاتے ہوئے قرآن پاک، سنت پاک اور حدیث پاک کی روشنی میں غور وحوض نہیں کرتے ہیں وہ خوابِ غفلت میں رہتے ہیں اور رہنا چاہتے ہیں، چنانچہ اُن کا فیصلہ اپنے نفس کے حق میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات سے دوری ہی کی وجہ سے وہ اپنے نفس کے غلام بن جاتے ہیں اور اُن کے لیے اپنے نفس کی غلامی سے بچنے اور اِس کی غلامی سے نکلنے کا طریقہ وذریعہ یہی قرآنِ پاک، سنت پاک، حدیث پاک اور اُن کی اپنی ذاتی محنت ہوتی ہے، باقی سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ تو ہر لمحہ توبہ قبول کرنے والا، ہدایت دینے والا اور بخشنے والا غفور الرحیم ہے۔ یہ تو تھیں چند دنیاوی اشیاء کے حصول کے لیے نفس اور انسان کے درمیان جنگ کی چند باتیں، ان کے علاوہ نفسِ انسانی اور انسان کے

Marfat.com

درمیان جن چیزوں کے متعلق جنگ ہوتی ہے وہ اور بھی زیادہ خطرناک اور گمراہ کن ہیں۔ اِن میں چوری، قتل، سفارش، ڈکیتی، اغواء دھوکہ دہی، جھوٹ، شراب نوشی، منشیات، ملاوٹ، جُوا، رشوت ستانی، ذرائع کا غلط استعمال، قانون شکنی، الزام دہی، حق تلفی، والدین کی نافرمانی، بڑے چھوٹے کی تمیز نہ ہونا، ناپ تول میں کمی، بے ایمانی، طاقت کا غلط استعمال، مادر پدر آزادی اور بدکاری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ باقی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حقوق اللہ، حقوق العباد، ایمان و یقین، صبر، توکل، قناعت اور دیگر بھلائی کے کاموں سے روکنا نفس و شیطان کی اولین ڈیوٹی ہے۔

یہاں بھی وہی جنگ جاری و ساری ہوتی ہے پہلے تو اُن جوان بچوں کو خراب و تباہ کرنے میں اُن کا نفس اور چند دیگر مادی اشیاء پیش پیش تھیں لیکن اب ان معاملات میں اُن دونوں چیزوں کے ساتھ ساتھ ایک اور طاقت بھی کارفرما ہو جاتی ہے اور وہ طاقت ہوتی ہے اُن کے اپنے دوست، ساتھی وغیرہ جو بظاہر تو اُن کے دوست ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ شیطان کے پجاری ہوتے ہیں جو اپنی طرح انہیں بھی اپنے نفس کا غلام دیکھنا چاہتے ہیں لیکن یہاں بھی چند برے دوستوں کے علاوہ کچھ اچھے دوست بھی ہوتے ہیں جو انہیں صراطِ مستقیم کے متعلق بتاتے ہیں۔ اب اسی وقت کے متعلق کہا گیا ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے اور اسی مقام پر! جو ہدایت کو سمجھتے ہیں اور صراطِ مستقیم کے متلاشی ہوتے ہیں تو اُن کے حلقہء احباب میں انہی کی طرح کے لوگ زیادہ تعداد میں ہوں گے اور جو نفس کے پجاری ہوتے ہیں تو اُن کے زیادہ تر دوست انہی کی طرح نفس ہی کے غلام ہوں گے۔ اب یہاں بھی وہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ان جوان بچوں کو اُن کا نفس اور شیطان صفت دوست ترغیب دیتے ہیں کہ ان مادی اشیاء کے حصول کے لیے اگر تمہیں کوئی چوری یا ڈکیتی بھی کرنی پڑھ جائے تو کوئی حرج نہیں، اگر اُن کی کسی سے کوئی معمولی سی تلخ کلامی ہو جائے تو انہیں پمپ کیا جاتا ہے کی فلاں شخص نے تمہاری شان میں گستاخی کی ہے لہٰذا اپنی جھوٹی انا کو برقرار رکھنے کے لیے خواہ تمہیں اسے قتل بھی کرنا پڑ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ انہیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ جھوٹ، فراڈ، الزام دہی، حق تلفی، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، قانون شکنی اور والدین کی نافرمانی وغیرہ تو عام سی باتیں اور روزمرہ کا معمول ہیں لہٰذا ان کے کرنے میں کوئی مسئلہ درپیش

Marfat.com

نہیں۔ قانون شکنی، طاقت و ذرائع کے غلط استعمال، بے ایمانی اور رشوت کے متعلق اُن کی رہنمائی کی جاتی ہے کہ یہ تو بہادری کی علامتیں ہیں اور کتنے لوگ ایسے ہیں جو یہ سب کچھ کر سکتے ہیں یہ کام سب کے بس کی بات نہیں تم انہیں کرواور پھر تم ہی وہ دلیر ہو گے جن کے کریڈٹ پر یہ کام ہوں گے اور جب ان جوان بچوں کو اُن کی اپنی ہی کسی غلطی کی وجہ سے نام نہاد قسم کا کوئی غم یا فکر گھیر لے تو اُنھیں نسخہ بتایا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو ہیروئین، چرس، سگریٹ یا شراب وغیرہ کے نشے میں بہادو تو تمہارے سارے غم و فکر دور ہو جائیں گے اور آخر میں ان جوان بچوں پر شیطان اپنے ترکش کا سب سے خطرناک اور زہریلا تیر چلاتا ہے جس سے بڑے بڑے حوصلہ و طاقت والے بھی زیر ہو کر اپنے نفس کے غلام بن جاتے ہیں اور وہ تیر ہوتا ہے بچوں اور بچیوں کی نام نہاد آزادی کا اور جس کا اختتام جا کر ہوتا ہے بدکاری پر۔ نفس، شیطان اور شیطان صفت دوست انہیں اپنے رستہ کی طرف لے جانے کے لیئے پاپڑ بیلنا شروع کر دیتے ہیں اور دوسری طرف آٹومیٹکلی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش بھی اُن پر برسنے لگتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں قرآن، سنت اور حدیث پاک کی روشنی میں مزید بتایا جاتا ہے، کہ یہ چوری وڈکیتی وغیرہ صریحاً غلط کام ہیں اور یہ اتنے غلط کام ہیں کہ ان کے مرتکب ہونے والوں کے بے شک ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ پھر انہیں بتایا جاتا ہے کہ مسلمان تو مسلمان کسی غیر مسلم کو بھی ناحق قتل مت کرو، آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے ''جس نے کسی معائد غیر مسلم کو قتل کیا وہ کبھی جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا'' (بخاری) اب آپ خود چیک کریں کہ ایک غیر مسلم کو ناحق قتل کرنے کے جرم میں جنت کو اس شخص پر حرام قرار دیا جارہا ہے اور کہاں آج ہم ہیں کہ آپس مین ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ رہے ہیں اور بجائے شرمندگی یا توبہ کے فخر کرتے ہیں۔ رشوت کے متعلق اُن کی رہنمائی کی جاتی ہے کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی اور اللہ تعالیٰ کے چور ہیں، جھوٹ کے متعلق انہیں بتایا جاتا ہے کہ جھوٹے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور جھوٹ بولنے سے رزق میں کمی واقع ہوتی ہے۔ شراب اور منشیات کے متعلق انتہائی سخت احکامات ہیں، شراب کو اُم الخبائث کہا گیا ہے کیونکہ اس کے نشے کے بعد نہ تو انسان کو رشتوں کی کوئی تمیز رہتی ہے اور نہ ہی اپنی ہوش۔ والدین کی نافرمانی کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے

Marfat.com

کہ ''والدین کیے نافرمان جنت میں داخل نہ ہو سکیں گے'' (نسائی)۔ والدین کی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مترادف جرم قرار دیا گیا ہے، ماں کے قدموں میں جنت اور والد کو جنت کا دروازہ قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ''باپ کی طرف صرف ایک محبت و پیار بھری نگاہ ڈالنے سے حج کے برابر ثواب ملتا ہے'' پھر آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ ''اُس شخص کی ناک خاک آلود ہوئی جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور اُن کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا'' (صحیح مسلم)۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد پر جانے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اُس نے جواب دیا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا، جاؤ اُن کی خدمت کرتے رہو یہی تمہارے لیے جہاد ہے'' (امام احمد و نسائی و بیہقی)۔ جنت کو ماں کے قدموں تلے قرار دیا گیا ہے اور مزید یہ کہ جس طرح ہمارے والدین نے ہمارے بچپن میں مصیبتیں برداشت کر کے ہمیں پالا پوسا ہوتا ہے، اسی طرح ہمیں بھی اُن کے بڑھاپے میں اُن کی خدمت کر کے جنت کمانی چاہیے (یوں اُن کی رہنمائی اس سلسلہ میں بھی کر دی جاتی ہے)۔ اسی طرح انسان کو بتایا جاتا ہے کہ طاقت یا اختیارات کا غلط استعمال انتہائی غلط اور گمراہ کن بات ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو طاقت یا اختیارات اس لیے دیتا ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان درست فیصلہ کر سکیں اور حق دار کی حمایت کر سکیں ورنہ جس نے یہ سب کچھ دیا ہوتا ہے وہ یہ سب کچھ چھین بھی سکتا ہے، اس لیے جہاں تک ہو سکے انصاف کے تقاضے پورے کرنے چاہییں اور حق دار اور مظلوم کی مدد کرنی چاہیے، قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ ''جب لوگوں کے جھگڑے نبٹانے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو'' (النساء 58)۔ اسی طرح کسی کی بھی حق تلفی نہیں کرنی چاہیے، قرآن پاک میں واضح حکم ہے کہ ''اے ایمان والو تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ'' (النساء) اور آپ ﷺ نے بھی فرمایا تھا کہ ''جس شخص نے کسی کی ایک بالشت برابر بھی زمین ظلم کر کے لی اُس کی گردن میں اس کے برابر ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔ اس لیے کسی کی بھی کسی قسم کی بھی حق تلفی نہیں کرنی چاہیے۔ قانون شکنی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں جس کا ثبوت ہمیں یوں ملتا ہے

Marfat.com

کہ جناب حضور پاک ﷺ نے اپنی ذاتِ مبارک کو بھی ریاست کے قوانین کا پابند بنایا اور رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے مثال قائم فرمائی، آپ ﷺ نے قانون کے نفاذ اور قانون پر عمل درآمد کے سلسلہ میں کبھی بھی کسی سفارش کسی منصب یا کسی مقام کو رکاوٹ نہیں بننے دیا، ایک دفعہ بنو مخزوم کی ایک عورت پر جب چوری کا الزام ثابت ہو گیا تو عورت کے قبیلہ والوں کے مجبور کرنے پر حضرت اسامہؓ بن زید نے اس عورت کی سفارش آپ ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ اُن کے بڑے جرم کرتے تو چھوڑ دیئے جاتے اور چھوٹے (غریب) جرم کرتے تو پکڑ لیے جاتے! خدا کی قسم اگر میری بیٹی بھی چوری کرتی تو اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا'' اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قانون سے بالاتر کوئی چیز نہیں۔ اس کے علاوہ حسد، منافقت، غیبت، جُوا، الزام تراشی، قطع رحمی، وہم اور قیافہ شناسی وغیرہ کو اسلام میں یوں تشبیہ دی گئی ہے کہ ان کے مرتکب دراصل اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کر رہے ہوتے ہیں اور ان کاموں اور ایسے ہی دوسرے کاموں کے بجالانے والے فقط اپنا ہی نقصان کر رہے ہوتے ہیں، یوں ان معاملات میں بھی اُن جوان بچوں کی رہنمائی کر دی جاتی ہے۔ اسلام ہی سے چونکہ عورتوں کو مقام و مرتبہ ملا تھا اور اسلام ہی نے عورتوں کے فرائض مقرر کیے تھے اور عورتوں کو حقوق بھی دیئے تھے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ جس طرح کی آزادی اور ماحول اس وقت چل رہے اُس کی اجازت دی گئی تھی۔ عورت کو زمین کا حسن قرار دیا گیا ہے لیکن اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ یہ حسن تمام دنیا و زمین پر عیاں ہو رہا ہو۔ اسی طرح بدکاری کرنے والوں کے لیے سخت سے سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں اور بدکاری کے مرتکب ہونے والوں کو سنگسار کرنے کے احکامات دیئے گے ہیں، شرک کے بعد بدکاری بھی ایک نہایت گھناؤنا اور بڑا جرم ہے۔ باقی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، حقوق اللہ، حقوق العباد، صبر، توکل، قناعت اور صلہ رحمی وغیرہ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ یہ سب نیکی و بھلائی کے کام ہیں اور ان کا قائم کرنا اور بجالانا دراصل انسان کے اپنے ہی فائدہ میں ہے، یوں ان چند اہم معاشرتی مسائل اور برائیوں کے متعلق بھی ان جوان بچوں (اشرف المخلوقات) کی رہنمائی کر دی جاتی ہے، لیکن پھر بھی فیصلہ تو اُنہوں نے ہی کرنا ہوتا ہے، ہمت، حوصلہ، محنت، جدوجہد، کوشش اور قوت فیصلہ تو

اُنھی کی استعمال ہونی ہوتی ہے، عمل تو انہوں نے ہی کرنا ہوتا ہے سو اتنا کچھ ہونے کے باوجود اگر پھر بھی وہ اپنا فیصلہ نفس کے حق میں دے دیں تو لعنت ہوگی اُن پر تمام جہانوں کی اور بربادی ہوگی اُن کا مقدر، یہاں بھی اور وہاں بھی اور اگر وہ غور کریں، سوچیں، سمجھیں اور تسلیم کریں کہ یہ تو کوئی ڈھکی چُھپی ہوئی نہیں بلکہ سامنے کی بات ہے کہ یہ تمام کام نہ کرنے اور یہ تمام کام کرنے میں ہی اُن کی بھلائی ہے چنانچہ جب وہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ تمام برے کام ہم نے نہیں کرنے اور یہ تمام اچھے کام ہم نے کرنے ہیں تو اُن کے نیکی کے ارادہ کے ساتھ ہی اُن کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھنا شروع کر دی جاتی ہیں اور بارانِ رحمت تو پہلے ہی برس رہی ہوتی ہے، بتایا انہیں جا چکا ہوتا ہے کہ حق کدھر ہے اور بدی کن کاموں میں ہے! سو جب وہ سچے دل سے پوری نیت کے ساتھ راہِ حق کے متلاشی بن جاتے ہیں اور راہِ حق پر چلتے ہوئے ایک قدم اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف سے دس قدم اٹھائے جاتے ہیں اور سچی و پکی توبہ کرنے پر اُن کی پچھلی غلطیوں اور کوتاہیوں کو بخشا جاتا ہے اور (حیلہ و وسیلہ) والے عمل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انہیں اُس راہ کا مسافر بنا دیا جاتا ہے جس پر ہمیشہ وہ اپنے انعام یافتہ لوگوں کو لے جاتا ہے، لیکن سچی توبہ اور اس کے بعد مرتے دم تک ثابت قدمی شرط ہے۔

اب تک تو ہم بات کر چکے ہیں کہ نفس انسان کو کیسے ورغلاتا ہے اور دوسری طرف سے انسان کو اپنے نفس کو قابو کرنے کے متعلق کیسے فیڈ کیا جاتا ہے اور مزید رہنمائی قرآن پاک، سنت پاک اور حدیث پاک کے ذریعے عمل میں آتی ہے، آئیں اب جائزہ لیتے ہیں کہ ان تمام اچھائیوں یا برائیوں کے انسانی زندگی پر کیا اثرات ہیں اور انسان کا فائدہ نفس کی باتوں کو ماننے میں ہے یا نفس کی باتوں کو نہ ماننے میں ہے۔ میں اپنی بات جھوٹ سے شروع کروں گا کہ جب ایک شخص اپنے مختلف کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے تو وقتی طور پر اُس کے کام اُس کی نظر میں شاید ہو ہی جاتے ہوں لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ فلاں شخص تو ہر بات میں جھوٹ بولتا ہے (خواہ وہ کاروباری باتیں ہوں یا زندگی کے متعلق عام باتیں) تو آخر کار لوگوں کا اعتماد و اعتبار اُس پر سے اُٹھ جاتا ہے اور یہ نفسیاتِ انسانی ہے کہ ایک دفعہ جس پر

سے اعتماد اٹھ جائے تو اُس پر اعتماد کا بحال ہونا کافی سے بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے! ایک نادیدہ اور نامحسوس قسم کی نفرت، جھوٹ بولنے والے شخص سے کی جاتی ہے اور اگر وہ کوئی سچی یا معقول بات بھی کرے تو تب بھی اُس کی بات پر اعتبار نہیں کیا جاتا اور دوسرے تو دوسرے خود اُس کے گھر والے بھی اُس کی بات پر اعتبار کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور میرے خیال میں جھوٹ بولنے والے کے لیے اس سے زیادہ سخت سزا کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی بھی شخص اُس کی کسی بھی قسم کی بات کا اعتبار نہ کرے اور لوگوں کا اعتماد اُس پر سے اُٹھ جائے۔ جھوٹ سے بچ کر جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اُن کے متعلق ہمیں اس واقعہ سے کافی سبق ملتا ہے! ایک دفعہ ایک شخص جناب حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''مجھ میں تین برائیاں ہیں۔ میں جھوٹ بولتا ہوں، چوری کرتا ہوں اور بدکاری کرتا ہوں، آپ ﷺ ان تینوں میں سے کسی ایک کے متعلق حکم فرمائیں کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا، جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ اُس نے آپ ﷺ سے اس بات کا وعدہ کر لیا کہ آئندہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ خیر جب رات ہوئی تو اسے چوری کا خیال آیا لیکن اُس نے سوچا کہ اگر صبح پوچھا گیا کہ کیا تم نے تو چوری نہیں کی؟ اگر جواب ہاں میں دیا تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر جھوٹ بولا تو وعدہ خلافی ہو گی چنانچہ اُس نے چوری کا اِرادہ ترک کر دیا اور بدکاری کے متعلق سوچا لیکن فوراً ہی اُسے دوبارہ خیال آیا کہ اگر بدکاری کا مرتکب ہوا اور پھر اس کے متعلق پوچھا گیا اگر سچ بولا تو سزا ہو گی اور اگر جھوٹ بولا تو وعدہ خلافی ہو گی، اس طرح وہ بدکاری سے بھی رک گیا۔ صبح ہوئی تو وہ شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک بُرے کام یعنی جھوٹ سے بچنے سے تمام برائیاں مجھ سے چھوٹ گئیں'' تو یوں ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹ کتنی بڑی بُرائی ہے اور اگر صرف ایک جھوٹ سے بچا جائے تو کئی برائیوں سے اپنے آپ بچا جا سکتا ہے۔ جھوٹ بولنے سے رزق میں کمی بھی واقع ہوتی ہے اور پھر یہ کہ آپ کتنے ہی معزز و محترم انسان کیوں نہ ہوں اگر آپ میں جھوٹ بولنے کی برائی ہو تو معاشرہ میں آپ کی عزت زیرو ہو جائے گی چنانچہ جھوٹ سے بچنا چاہیے کیونکہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور بدی کا یہ سلسلہ آگے ہی آگے چل نکلتا ہے۔ اسی طرح چوری یا

Marfat.com

ڈکیتی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے بھی چور ہوتے ہیں اور اُس کے بندوں کے بھی اور ایسے لوگوں کو دنیا کے کسی بھی معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور اگر کوئی چور یا ڈکیت، چوری یا ڈکیتی کرتے ہوئے مارا جائے تو یہ اُس کی حرام موت ہوگی اور رہتی دنیا تک اُس کے اور اُس کے رشتہ داروں کے گلے میں بدنامی کا طوق لٹکتا رہے گا، اُسے جب بھی یاد کیا جائے گا برے ہی الفاظ میں یاد کیا جائے گا اور پھر چوری و ڈکیتی اتنے سنگین جرائم ہیں کہ اِن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ''اِن کے مرتکب ہونے والوں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں'' تاکہ وہ دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بن جائیں۔

آپ نے اکثر اخبارات وغیرہ میں پڑھا ہوگا یا ویسے سنا ہوگا کہ فلاں آدمی نے شراب پی اور اُس کی موت ہوگئی کیونکہ شراب زہریلی تھی اب آگے چلیں، میں بذاتِ خود ایسے کئی خوبصورت نوجوانوں کو جانتا ہوں جنہوں نے اپنی اتنی خوبصورت قیمتی جوانیاں اور زندگیاں اس میں گلا دیں ہیں (اور زیادہ تر بیوقوف تو ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر اور ہیرو بننے کے چکروں میں شراب، ہیروئین، چرس اور سگریٹ وغیرہ کے نشئے سے تباہ و برباد ہو رہے ہیں اور یہ میں لکھ رہا ہوں کہ اس بات کی منطق کسی کے بھی پاس نہیں ہوگی کہ ایسا وہ کیوں کرتے ہیں) پھر کسی کا جگر نہیں رہتا، کسی کا معدہ اور کوئی دنیا پر ہی نہیں رہتا اور جو لوگ شراب، ہیروئین، چرس یا سگریٹ وغیرہ کے نشئی ہوتے ہیں تو کوئی معقول بندہ تو درکنار کوئی نشئی بھی انہیں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور اُن کے اس مسلسل عمل کی وجہ سے یا اچانک اُن میں سے کوئی دنیا سے چلا جائے تو اگر سو سال کے بعد بھی بات ہوگی تو یہی کہا جائے گا کہ ہاں وہی دوزخی جو شراب پیتے ہوئے مارا گیا تھا یا ہیروئین، چرس یا شراب وغیرہ کے مسلسل استعمال نے اسے مار دیا، مختصراً یہ کہ دنیا ہی میں ایسے لوگوں کی برائی کی گواہی دے دی جاتی ہے اور معاشرے میں انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کو سخت سے سخت سزاؤں کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے اور جو لوگ ایسا کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت کچھ کما لیا ہے حقیقتاً وہ اپنے ہاتھوں سے تباہی کی طرف جا رہے ہوتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے ناجائز زرائع سے کمایا ہوتا ہے ان کا اس سے دگنا مال نکل جاتا ہے، ایسے

لوگ دنیا میں بھی تہی دست ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی تہی دست ہوں گے۔ ایک عام مثال دی جاتی ہے کہ جس کی گھر میں کوئی عزت نہیں کرتا اُس کی باہر بھی کوئی عزت نہیں کرتا، معاملہ کچھ یوں ہے کہ والدین اور اولاد کے مابین حقوق و فرائض کے متعلق آپ سب مجھ سے کہیں زیادہ اور بہتر طور پر جانتے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اولاد اور والدین کے درمیان احترام کا رشتہ مضبوط ہونا چاہیے اور اولاد اور والدین کو اپنے باہم حقوق و فرائض کا خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ اگر اولاد اور والدین آپس میں ایک دوسرے کی عزت نہیں کریں گے تو کوئی اور بھی ان کی عزت نہیں کرے گا۔ بعض لوگ فراڈ، ملاوٹ، جعل سازی، بے ایمانی، رشوت خوری، قانون شکنی، بے بنیاد الزامات، اختیارات کے غلط استعمال اور ہر طرح کی کرپشن بڑے فخر سے کرتے ہیں اور پھر یار لوگوں کی محفلوں میں بیٹھ کر اپنی اس نام نہاد بہادری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ اپنی بربادی کو آواز دے رہے ہوتے ہیں کہ ہم جلد یا بدیر عبرت کا نشان بننے والے ہیں اور جب وہ یہ سب کچھ کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت انہیں پتہ نہیں چلتا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب وقت گزر جاتا ہے اور سوائے پچھتاوے کے ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا اور جو لوگ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتے تو مکافاتِ عمل کے طور پر کوئی اور بھی ان کی عزت نہیں کرتا۔

میری ذاتی رائے کے مطابق نفس کے دو حصے ہیں ایک حصے میں تمام وہ برائیاں آتی ہیں جن کا ذکر میں کر چکا ہوں یا جن کا ذکر میں نہیں کر سکا ہوں اور دوسرے حصے میں صرف ایک برائی آتی ہے اور یہ حصہ فقط اسی برائی کے لیے مخصوص ہے، اسے کہتے ہیں (بدکاری اور اس کی تمام اقسام)۔ چنانچہ جب ہم اکثر یوں گویا ہوتے ہیں کہ فلاں شخص کو اپنے نفس پر قابو ہے اور فلاں کو اپنے نفس پر قابو نہیں ہے تو فوراً ہمارا خیال پہلے بدکاری ہی کی طرف جاتا ہے حالانکہ نفس کا اطلاق تو مذکورہ بالا برائیوں کے علاوہ کھانے پینے سے لے کر روزمرہ کے عام کاموں تک ہوتا ہے مثلاً اگر آپ کا دل گوشت کھانے کو کر رہا ہو اور آپ کہیں کہ نہیں میں تو دال، سبزی وغیرہ ہی کھاؤں گا تو یہ آپ کی نفس پر قابو پانے کی پریکٹس ہوگی اور یہ کہ جس کام یا چیز پر (جو نیکی کرنے سے روکے اور بدی کی طرف ابھارے) دل للچائے اور بار بار آئے تو اپنے آپ کو مجبور کر کے اس سے رکنا اور ہر چیز اور

ہر کام میں درمیانہ رستہ اختیار کرتے ہوئے متوازن طریقے سے چلنا، اپنے نفس پر قابو پانے کی پریکٹس بھی ہے اور اِس پر قابو پانے کے برابر بھی۔ چنانچہ انسان کا آدھا کردار بدکاری اور اس کی اقسام پر قابو پانے یا نہ پانے اور باقی آدھا کردار نفس کی دیگر بیماریوں و برائیوں پر قابو پانے یا نہ پانے سے بنتا یا بگڑتا ہے، جو انسان بدکاری کی لعنت میں ڈوبتا ہے تو کوئی دوسرا انسان اس کی عزت نہیں کرتا اور مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ بدکار انسان اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنے بہن بھائی اور معاشرے کا سامنا کیسے کرتا ہے اور کس منہ سے عزت دار کہلوانے کی کوششیں کرتا ہے۔ پھر یہ کہ بدکار کے چہرے پر لعنت اور پھٹکار پڑ جاتی ہے اور دونوں جہانوں کی لعنتیں اُس پر برستی ہیں، سزا کے طور پر ایسی ایسی بیماریاں اُس کا مقدر ہو جاتی ہیں جن کا علاج ہی دنیا میں ممکن نہیں ہوتا، ایسا فقط اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حدوں کو توڑنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنی پناہ میں رکھے (آمین)۔

اب ہم ان جوان بچوں کی کہانی کا اختتام کرتے ہیں، اچھا آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں بار بار انہی چند (برائیوں اور بیماریوں) کو کیوں فوکس کر رہا ہوں! تو میں مانتا ہوں کہ نفسِ انسانی کی بیماریوں اور بھی ہیں لیکن یہ جو مذکورہ بالا چند ایک میں نے بیان کی ہیں ہم اور ہمارے نفس کے درمیان اکثر دن، رات مقابلہ انہی کے درمیان چلتا ہے اور اگر انسان اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص اور تھوڑی اپنی کوشش، ہمت و محنت سے ان بیماریوں پر قابو پالے تو پھر دوسری نفسانی بیماریوں کو قابو کرنا کوئی خاص مشکل کام نہیں ہوتا اور اگر اِن ہی پر قابو نہ آئے تو پھر کسی اور چیز پر قابو پانا کیسے ممکن ہوسکتا ہے (باقی اور حقیقتاً یہ کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) اب اگر اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی وہ جوان بچے اپنے نفس ہی کی بات مانتے ہیں اور مانتے ہی چلے جاتے ہیں تو پھر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تباہی و بربادی اُن کا مقدر ہو جاتی ہے اور اگر زندگی کے کسی بھی حصے میں انہیں ہدایت کی تمنا ہو تو ہدایت دینے والے کے دروازے تو چوبیس گھنٹے کھلے ہیں، اُس کی رحمت کی بارش تو ہر لمحہ اور لمحہ بہ لمحہ ہر ایک پر برس رہی ہے، وہ تو ایک انسان سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور کہاں ایک ماں کی محبت کا نعم البدل نہیں ملتا جبکہ یہاں تو ستر ماؤں سے بھی زیادہ

محبت کارفرما ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس شخص کی زندگی کی شروعات ہی اذان کے مقدس الفاظ سے ہوئی ہوں اور جس شخص نے کلمہ پاک پڑھا ہو اور جو اُمت محمدی ﷺ کا فرد ہو تو بھلا کیسے اُس کو دوزخ کی آگ کے حوالے کیا جا سکتا ہے! لیکن نقص آ جا کر ہماری طرف سے ہی رہ جاتا ہے اور یہ نفس ہی ہے جس پر قابو پا کر ہم دین، دنیا اور آخرت میں کامیاب بھی ہو سکتے ہیں اور قابو نہ پا کر دین، دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے دور بھی جا سکتے ہیں۔ نتیجتاً جب انسان کو اپنے اوپر رحم آ جاتا ہے اور وہ تسلیم کرتا ہے کہ یقیناً وہ غلطی پر تھا کیونکہ حق تو کہیں اور ہے اور پھر وہ سختی کے ساتھ حق کے رستے پر چلنے کا وعدہ وارادہ کرتا ہے اور پھر عمل کرتے ہوئے پہلا قدم اٹھاتا ہے تو توبہ قبول کی جاتی ہے پچھلی کوتاہیوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فوراً سے پیشتر اُس کا بازو تھام لیا جاتا ہے اور فلاح اُس کا مقدر ٹھہرتی ہے، لیکن ثابت قدمی ضروری ہے کیونکہ ہر دفعہ معافی کی بناء پر گناہ کو شعار بنانے کی کوئی گنجائش نہیں۔

آپ نے میرے ایک سوال کا جواب دینا ہے اور یہ جواب آپ نے اپنا علم، تجربہ، مشاہدہ، معلومات اور عقل استعمال کر کے مجھ کو بھی دینا ہے اور اپنے آپ کو بھی۔ میرا سوال یہ ہے کہ ایک انسان کی اپنی ذات کا فائدہ نفس کی بات مان کر بدی وتباہی کے رستہ پر جانے میں ہے یا نفس کی بات نہ مان کر نیکی وفلاح کے رستہ پر جانے میں ہے؟ جب یہی سوال میں نے اپنے آپ سے کیا تو مجھے اپنے سوال کا جواب اپنی ناقص معلومات کے مطابق، اپنی زندگی کے محدود ومختصر تجربے کی روشنی میں اور دنیا کے حالات وواقعات دیکھ کر کچھ یوں ملا کہ دیکھو، قرآنِ پاک، سنت پاک اور حدیث پاک (یعنی دینِ اسلام) انسان کو کیا سمجھا رہا ہے اور حضرت انسان سے کیا تقاضا کر رہا ہے؟ تو وہ انسان کو سمجھا رہا ہے کہ اے انسان! تیرا رب ایک ہے تیرا نبی ﷺ ایک ہے تیرا قرآن ایک ہے اور تیرا دین، دینِ اسلام ایک ہے اور تو خود اکیلا ہے کیونکہ تم اکیلے ہی دنیا پر آئے تھے اور تم نے اکیلے ہی دنیا سے جانا ہے، سو پہلے اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھو اور اپنی جان پر ظلم نہ کرو کیونکہ "جو کوئی نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لیے کرتا ہے اور جو کوئی بُرا عمل کرتا ہے تو اُس کا وبال بھی اُسی پر ہوگا اور آپ ﷺ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا

Marfat.com

ہر گز نہیں ہے'' (سورہ حم السجدۃ 46) اور دیکھتے ہیں کہ یہ ہماری اپنے آپ سے محبت ہے کیا؟ آپ ہر چیز ایک طرف رکھ کر صرف ایک لمحہ کے لیے غور کریں اور سوچیں کہ جب آپ شراب پیتے ہیں، چرس، ہیروئین یا سگریٹ وغیرہ کا نشہ کرتے ہیں یا بدکاری کرتے ہیں تو صرف اتنا بتا دیں کہ آپ کس کا نقصان کرتے اور مسلسل کر رہے ہوتے ہیں؟ کیونکہ بدکاری، شراب، ہیروئین، چرس اور سگریٹ وغیرہ کے نشئے سے جگر آپ کا تباہ ہو رہا ہوتا ہے، معدہ آپ کا چھلنی ہو رہا ہوتا ہے، دماغ کے سیل آپ کے ختم ہو رہے ہوتے ہیں، پیسہ حرام کی راہ پر آپ کا ضائع ہو رہا ہوتا ہے، ایڈز، کینسر، ہیپاٹائیٹس اور کئی ناقابلِ علاج اور ناقابلِ بیان بیماریاں آپ کو لگ رہی ہوتی ہیں، دین، دنیا اور آخرت آپ کی تباہ ہو رہی ہوتی ہے، معاشرے سے عزت و وقار آپ کا ختم ہو رہا ہوتا ہے اور آخرکار ایک حرام موت کی طرف آپ جا رہے ہوتے ہیں اور ایک دردناک عذاب آپ کا منتظر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ چوری یا ڈکیتی کرتے ہیں، کسی بھی قسم کی بے ایمانی کرتے ہیں یا کسی کا حق مارتے ہیں (سفارش وغیرہ) تو یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا ہی میں آپ کا دگنا حق مار دیا جاتا ہے اور پھر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حساب تو آپ نے ہی دینا ہوتا ہے۔ اگر آپ جھوٹ بولتے ہیں تو رزق بھی آپ ہی کا کم ہو رہا ہوتا ہے اور لوگوں کی نفرت کا شکار بھی آپ ہی بن رہے ہوتے ہیں۔ اگر آپ والدین کی عزت، اپنے سے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام نہیں کرتے تو ایک یہ کہ جنت آپ سے دور کر دی جائے گی اور دوسرے یہ کہ مکافاتِ عمل کے طور پر کوئی اور بھی آپ کی عزت و احترام نہیں کرے گا۔ اگر آپ جُواء کھیلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے چور بنتے ہیں آپ خود ہی اور حرام کے راہ پر پیسہ جا رہا ہوتا ہے آپ ہی کا اور آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ جواری بندے کی معاشرہ میں کیا عزت ہوتی ہے۔ اگر آپ کسی کی غیبت کرتے ہیں تو غیبت کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ غیبت کرنا ایسے ہی ہے کہ ''جیسے اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا ہے'' اور پھر یہ کہ غیبت کرنے والے شخص کو معاشرہ میں حقارت و نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر آپ غرور کرتے ہیں تو سر بھی آپ ہی کا نیچا ہوتا ہے اور مغرور شخص کی کوئی بھی بندہ عزت نہیں کرتا۔ اگر آپ اغواء وغیرہ جیسا بھیانک جرم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے مجرم

تو آپ بنتے ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے بندوں کے بھی آپ مجرم بن جاتے ہیں اور حقوق اللہ تو معاف ہو سکتے ہیں لیکن حقوق العباد کے متعلق لازماً پوچھ گچھ ہوگی کیونکہ اغواء نہایت بھیانک جرم ہے اور آپ ﷺ کا بھی ارشادِ پاک ہے کہ "سچا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں" (صحیح بخاری)۔ اسی طرح اگر آپ قانون کے منافی کوئی کام کرتے ہیں (رشوت، سفارش، حق تلفی وغیرہ) تو شیطان کے بھائی بھی آپ ہی بنتے ہیں۔ الغرض اگر آپ دنیا میں کوئی بھی کسی بھی قسم کی کرپشن یا زیادتی کرتے ہیں تو دراصل وہ زیادتی آپ فقط اپنے آپ سے اپنی ذات سے کر رہے ہوتے ہیں اور (اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں) اور اس کرپشن اور زیادتی کا بدلہ صرف اور صرف آپ ہی نے دینا ہوتا ہے اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔ آئیں اب تصویر کا دوسرا رُخ دیکھتے ہیں! یہاں بھی آپ ہی ہیں لیکن یہاں آپ نمازیں ادا کر رہے ہیں، حج ادا کر رہے ہیں، روزے رکھ رہے ہیں، ذکوٰۃ دے رہے ہیں، یقین، صبر، توکل اور قناعت کر رہے ہیں، حقوق اللہ بھی پورے کر رہے ہیں اور حقوق العباد بھی نیز یہاں آپ قرآنِ پاک، سُنت پاک اور حدیث مبارکہ کے مطابق زندگی گزارتے ہوئے نیکیوں سے قریب تر ہیں اور برائیوں سے دور اور آپ کا ایمان و یقین مضبوط ہے تو آپ مجھے جواب دیں کہ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو اس کا فائدہ کس کو ہوتا ہے اور یہ احسان آپ کس کے سر پر کر رہے ہوتے ہیں؟ تو جناب اس کا فائدہ صرف اور صرف آپ کی اپنی ذات کو ہوتا ہے اور یہ احسان بھی آپ اپنے اوپر ہی کر رہے ہوتے ہیں۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے وہ کیسے؟ تو وہ ایسے کہ یہ جو میں اور آپ نماز پڑھتے ہیں تو اس کا فائدہ بھی ہمیں ہی پہنچتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنا اور اُس کی نعمتوں کا شُکر ادا کرنا ہمارا فرض ہے اور پھر ہمارے علاوہ تو اُس کے آگے تمام زمینوں اور تمام آسمانوں کی مخلوقات، چرند، پرند، جانور، تمام نباتات، ذرات اور فرشتے دن رات جھکتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، مانگتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اگر ہم دن میں دو، چار یا پانچ مرتبہ اس کے آگے جھکتے ہیں تو اس کا فائدہ بھی ہمیں ہی پہنچتا ہے، کیونکہ ایک تو جب ہم نماز ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان ڈائریکٹ رابطہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ہم اُس سے نماز میں بھی اور نماز کے بعد، دعا کی

صورت میں بھی مانگتے ہیں اور وہ دعائیں سننے والا، رزق دینے والا، مصیبتیں دور کرنے والا، تمنائیں اور حاجتیں پوری کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا الغفورالرحیم ہے۔ پھر یہ کہ نماز ہمیں برائیوں سے بچاتی ہے اور ہمیں اپنے نفس پر قابو پانے کی طاقت دیتی ہے پس ایسا کر کے ہم اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے بن جاتے ہیں اور فلاح پاتے ہیں (اسی طرح میڈیکل کے نقطۂ نظر سے بھی وضو اور نماز کے بے شمار فوائد ہیں)۔

اب بات آجاتی ہے روزہ کے متعلق تو اگر ہم بارہ ماہ میں سے صرف ایک ماہ روزے رکھتے ہیں تو اس کا فائدہ بھی ہمیں ہی پہنچتا ہے! کیونکہ اس مقدس ماہ میں شیطان کو جکڑ دیا جاتا ہے پھر رمضان کریم کے تین عشرے ہوتے ہیں، پہلا عشرہ رحمتِ الٰہی کے ظہور کا ہوتا ہے، دوسرا عشرہ مغفرتِ خداوندی کا مظہر ہوتا ہے اور تیسرا عشرہ اپنی گردنوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کا ذریعہ ہوتا ہے پھر یہ کہ روزہ ایک بدنی عبادت بھی ہے چنانچہ اس سے ہمیں فاقہ کشی کو سمجھنے میں مدد بھی ملتی ہے اور اپنے نفس پر قابو پانے کی بہترین پریکٹس بھی اور یہ کہ روزہ رکھ کر ہم اپنی کئی قسم کی بیماریوں کو کنٹرول بھی کر سکتے ہیں اور روزہ دار کی ہر دعا قبول کی جاتی ہے۔ قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہے کہ "اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیئے گے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر کیے گے تھے تا کہ تم پرہیزگار اور متقی بن سکو" (سورہ البقرہ 183)۔ تو پھر بتایئے یہاں بھی کس کو فائدہ پہنچ رہا ہے؟

زکوٰۃ! قرآن پاک میں تقریباً آٹھ جگہ زکوٰۃ ادا کرنے اور نماز کو قائم کرنے کا حکم ساتھ ساتھ ملا کر دیا گیا ہے۔ تو زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی ہمیں ہی فائدہ پہنچتا ہے، ایک تو یہ کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے دوسرے یہ کہ زکوٰۃ ادا کر کے ہم اپنے باقی مال کو پاک وصاف کر سکتے ہیں، تیسرے یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے دولت کے بہاؤ رخ غریبوں کی طرف ہو جاتا ہے اور یوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کا حصہ بھی نکل جاتا ہے! اس طرح ہم کتنے ہی لوگوں کی دعاؤں کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

حج! یہ ایک مسلمان کے لیے بہت بڑی سعادت ہے اور زندگی میں ایک دفعہ حج کرنا واجب ہے لیکن اگر ایک سے زیادہ دفعہ حج کرنے کا موقع ملے تو یہ بڑے نصیب کی بات ہوتی ہے۔ حج

ایک ایسی عبادت ہے جس سے ہمیں بے انتہا نفع اور فائدہ پہنچتا ہے! سب سے پہلے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا گھر دیکھنے، ان پاک گلیوں میں چلنے، اس پاک مٹی کو چومنے اور ان مبارک جگہوں کی زیارت کرنے کا موقع ملتا ہے جہاں جناب حضور پاک ﷺ نے اپنی پیاری اور رحمتوں بھری زندگی بسر فرمائی پھر ہمیں روضۂ مبارک ﷺ پر حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے، اس کے بعد یہ کہ حج ایک ایسی عبادت ہے کہ انسان جب حج کر لیتا ہے تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور حج کے بعد اس کی نفسی حالت ایسی ہی ہو جاتی ہے جیسی کہ نامولود بچے کی تو حج کا کتنا زیادہ نفع و فائدہ ہے کہ ہمارے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں لیکن اس کے بعد ہمیں چاہیے کہ کبھی بھی دوبارہ اپنے نفس کو گندی حالت میں لے کر وہاں حاضر نہ ہوں۔ اسی طرح اگر ہم اوروں پر رحم کریں گے تو ہمارے اوپر بھی رحم کیا جائے گا اور اگر اوروں کا پردہ رکھیں گے تو تب ہی ہمارا پردہ بھی رکھا جا سکے گا اور اگر حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھیں گے تو دین، دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے نوازہ بھی ہمیں ہی جائے گا۔

تو محترم قارئین! یہ نتیجہ نکلتا رہا تھا، نکل رہا ہے اور نکلتا رہے گا کہ یہ تمام عبادات اور دیگر نیکی و بھلائی کے کام سرانجام دیتے ہوئے ہر قسم کی بدی کے کاموں سے بچنا اور اپنے نفس کو زیر کرنا درحقیقت انسان کی اپنے آپ سے محبت والفت ہی ہے اور یہ کام اس کے اپنے فائدہ ہی کے لیے ہیں کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات اور اپنا نائب بنایا ہے چنانچہ اس حیثیت سے یہ اُس کا فرض ہے کہ راہِ ہدایت پر گامزن رہے اور جب وہ نیکی و ہدایت کے رستے پر چلے گا اور بدی سے بچے گا تو وہ اپنے اللہ کو راضی کر لے گا۔ تب دنیا و آخرت اُس کے لیے آسان کر دی جائیں گی، معاشرہ میں اُس کی عزت و وقار کو بڑھا دیا جائے گا اُس کا رنگ، اعتماد اور رعب ہی اوروں سے جُدا ہوگا اور (اس بات کی مثال ایسے ہی ہوگی کہ اگر سو بندے کھڑے ہوئے ہوں اور ایک بیٹھا ہوا ہو تو اس بیٹھے ہوئے بندے کی پہچان اُن سو بندوں سے الگ ہی ہوگی اور اگر سو بندے بیٹھے ہوئے ہوں اور ایک کھڑا ہوا ہو تو وہ ایک کھڑا ہوا بندہ اُن سو بیٹھے ہوئے بندوں سے جُدا ہی ہوگا) کیونکہ جو اُس کے آگے سچے دل سے جھکتے ہیں پھر وہ انہیں کبھی بھی کسی کے بھی آگے جھکنے نہیں دیتا اور اس کے

حضور جھکنے والے آگے ہی آگے کی منازل طے کرتے جاتے ہیں اور انہیں ہر میدان میں کامیاب کیا جاتا ہے اور جو ہدایت سے دور اور نفس کے قریب ہوتے ہیں تو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پستی، نفرت، ذلالت اور ٹھوکریں اُن کا مقدر ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اُن کا اللہ تعالیٰ اُن سے راضی نہیں ہوتا۔ پس انسان کا فائدہ اسی بات میں ہے کہ وہ اپنے آپ سے محبت کرتے ہوئے راہِ حق کا متلاشی بن جائے اور جب وہ مکمل طور پر اپنے آپ سے محبت کرنا شروع کر دے گا تو تب ہی کہیں جا کر وہ دوسروں سے بھی ایسی ہی محبت کر سکے گا اور انہیں اپنے آپ سے ایسی ہی محبت کرنے کی تلقین و نصیحت کر سکے گا اور کسی دوسرے کا وسیلہ (نیکیوں کا کہنے والا اور برائیوں سے منع کرنے والا بن سکے گا)۔

میں نے اس مضمون کے شروع میں دنیاوی چیزوں کا ذکر کیا تھا اور ان کے ساتھ لفظ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کیا تھا، ایسا میں نے اس لیے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ عطا کر کے بھی آزماتا ہے اور جو کچھ عطا کیا ہوتا ہے وہ لے کر بھی (تاکہ انسان کی ثابت قدمی چیک ہو سکے) اور دوسری بات یہ کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ''غیر ضروری جائیدادیں اور دولت مت اکٹھی کرو تاکہ کہیں تم دنیا ہی کے ہو کر نہ رہ جاؤ''

(راوی عمر بن عوف)

چنانچہ ہمیں ہر وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ دولت اکٹھی کرنے کی اس دوڑ میں کہیں ہم کوئی ایسا کام نہ کر گزریں جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات کے منافی ہو، اس لیے ہمیں نیک نیتی کے ساتھ حلال روزی کے حصول کے لیے تگ و دو جاری رکھنی چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ کہیں ہم دنیا کے مال کے حصول کے لیے دنیا ہی کے ہو کر نہ رہ جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہماری مالی حالت خواہ کیسی بھی ہو، ہمیشہ ہمیں اس مندرجہ ذیل حکمِ نبوی ﷺ پر عمل کرنا چاہیے!

حضرت ابو سعید حذریؓ فرماتے ہیں کہ جناب حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص کے پاس اپنی حاجت سے زائد سواری ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو، جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد خورد و نوش کا سامان ہو وہ اس شخص کو دے دے جو نادار اور حاجت مند ہو۔

Marfat.com

اس روایت کے راوی حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ جناب حضور پاک ﷺ اسی طرح مال کی مختلف قسموں کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنی ضرورت سے زائد مال پر کوئی حق نہیں''۔تو اس حدیث پاک کی روشنی میں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ نوازہ ہے اس میں سے ضرورت مندوں، غریبوں، ناداروں، بیماروں اور حاجت مندوں کا حصہ بھی رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مال ہوتا ہے جو اُس کی رحمتِ خاص سے ہمیں ملتا ہے چنانچہ ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی دعائیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتے رہیں اور سب باتوں کی ایک بات اور سب بحثوں کی ایک بحث کہ یہ دنیاداری کی چیزیں، یہ عیاشیاں، یہ خوشیاں، یہ غم، یہ کنجوسیاں، یہ فضول خرچیاں، یہ محبتیں، یہ نفرتیں، یہ جائیدادیں اور یہ جمع پونجیاں الغرض ہر چیز یہیں رہ جانی ہے کیونکہ کسی کو بھی کسی قسم کا بھی کوئی بھی علم نہیں کہ اُس نے یہ دنیا کب، کہاں اور کیسے چھوڑ جانی ہے؟ لہٰذا ہمیں مرنے سے پہلے مرنے کے بعد جو کچھ ہونا ہے اُس کی تیاری کرنی چاہیے اور اسی تیاری کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) چنانچہ جو کچھ یہاں بوئیں گے اُس کا کچھ حصہ یہاں ہی اور زیادہ حصہ وہاں (اگلے جہاں) کاٹیں گے۔تو صاحب! یہ خوبصورتی، یہ جوانی، یہ طاقت، یہ حُسن اور یہ جسم تو صرف مٹی کا ایک بت ہے اور اس بت نے نہ جانے کس وقت مٹی میں مل جانا ہے اور اس بت کے ختم ہوتے ہی اس کی ساری کہانی اور اس کا سب کچھ ختم ہو جانا ہے (اگر آپ کو اس بات کا یقین نہ آئے تو فقط اپنے باپ دادا کو دیکھ لیں کہ وہ کہاں چلے گئے ہیں اور اپنے ساتھ کیا لے گئے ہیں اور اپنے پیچھے کیا چھوڑ گئے ہیں؟ تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ اپنے ساتھ فقط اپنے اعمال لے گئے ہیں اور اپنے پیچھے اپنے اعمال کے حساب سے اپنا نام اور کردار چھوڑ گئے ہیں) چنانچہ اس بُت کے ساتھ لازماً بہت کچھ آگے جانا ہے جس کا ثبوت ہمیں اس حدیثِ نبوی ﷺ سے ملتا ہے کہ ''مردے کے ساتھ تین چیزیں قبرستان میں جاتی ہیں پھر دو لوٹ آتی ہیں اور ایک رہ جاتی ہے۔اس کے ساتھ اس کے گھر والے، مال اور اعمال جاتے ہیں تو گھر والے اور مال تو لوٹ آتے ہیں اور اعمال اس کے ساتھ رہ جاتے ہیں'' (مسلم)۔گویا اعمال پوری رفاقت کرتے اور

Marfat.com

نبا ہتے ہیں باقی چیزیں تو دنیا کا مال ہوتی ہیں اور انہوں نے دنیا میں ہی رہ جانا ہوتا ہے، ساتھ جانے ہوتے ہیں اعمال (نیک اعمال اور بد اعمال) اور حساب تو آنکھ بند ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور جیسے اعمال دنیا میں کمائے ہوتے ہیں ان کا بدلہ آنکھ بند ہوتے ہی ملنا شروع ہو جاتا ہے۔

قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہے ''وہ اللہ جسے چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بیشک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہوتے ہیں'' (البقرہ 269)۔ لہٰذا مجھے آج تک اس بات کی سمجھ نہیں آسکی کہ میں نے دنیا میں اتنے ذہین، لائق اور دنیاوی طور پر کامیاب لوگ دیکھے ہیں اور جنہیں دیکھنے اور ملنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کی ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے لیکن جب یہی لوگ کرپشن کرتے ہیں اور اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کو اپنے نفس کے تابع بنا دیتے ہیں تو از حد تعجب اور افسوس ہوتا ہے کیونکہ وہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی کرپشن کر رہے ہوتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک ناسمجھ اور اَن پڑھ شخص کی بجائے اگر کوئی پڑھا لکھا اور علم رکھنے والا شخص برائی یا کرپشن کرے گا تو اس ناسمجھ اور اَن پڑھ شخص کے بدلے میں اس علم والے اور پڑھے لکھے شخص کو زیادہ سخت سزا ملے گی کیونکہ وہ سب کچھ جانتے، بوجھتے اور علم رکھتے ہوئے بھی نفس کی بات مانے جارہا ہوگا اسے سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ یہ دنیا عارضی ہے اور اس کا ٹھکانہ کہیں اور ہے اور یہ کہ اس غفور الرحیم نے اسے اتنا نوازہ ہے جس کے متعلق وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن اُس نے پھر بھی اپنی عقل، اپنی ذہانت، اپنی سوچ، اپنی سمجھ، اپنا عمل اور اپنا سب کچھ اپنے نفس کے تابع کر دیا ہوگا اور بدی کا رستہ اختیار کر لیا ہوگا لیکن جب بات سمجھ میں آئے گی تو ساتھ کچھ بھی نہیں ہوگا مگر وہ کمائی ضرور ساتھ ہوگی جو اُس نے اپنے نفس کی بات مان کر یا نہ مان کر حاصل کی ہوگی اور اس کمائی کا پورا پورا بدلہ اسے دنیا میں بھی دیا جائے گا اور آخرت میں بھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہم سب کو غور کرنے، سوچنے، سمجھنے درست فیصلہ کرنے اور عمل کرنے کی طاقت و توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ ہماری (زندگی، دنیا اور نفس) ہمارا امتحان ہیں۔ یہ ہماری زندگی، دنیا اور نفس ہمارے دوست بھی ہیں اور دشمن بھی۔ دوست صرف اور صرف اس

صورت میں ہو سکتے ہیں کہ اپنی ذاتی محنت استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہو کر اور پھر ہمیشہ ان پر قائم رہ کر اور دشمن صرف اور صرف اس صورت میں کہ اپنی ذاتی محنت استعمال نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات سے دور ہو کر۔ لہٰذا ہمیں اپنی زندگی کے کسی بھی شعبہ میں کسی بھی کام میں اور کسی بھی وقت اپنے نفس کو آزاد نہیں کرنا چاہیے، اس کے اوپر ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات کا چیک اینڈ بیلنس رکھنا چاہیے! کیونکہ چڑھائی چڑھتے وقت بھی اور اُترتے وقت بھی اپنی منزل پر پہنچنے تک احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا جا سکتا اگر کہیں بھی احتیاط کا دامن چھوڑا جائے تو حادثہ ہونا یقینی امر ہو جاتا ہے (اور بہادر وہ ہی ہوتے ہیں جو اپنے نفس کو زیر کرتے ہیں)۔

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو خالی ہاتھ ہوتا ہے اور جب دنیا سے جاتا ہے تو ظاہراً وہ خالی ہاتھ ہی ہوتا ہے لیکن اُس کے نامۂ اعمال میں اس کے اچھے یا برے اعمال اُس کے ساتھ ضرور جاتے ہیں۔ سکندرِ اعظم جو ایک عظیم فاتح تھا نے اپنی ماں کو وصیت کی تھی کہ ''اُس کے مرنے کے بعد اُس کے ہاتھ اُس کے کفن سے باہر رکھے جائیں تاکہ تمام دنیا دیکھ سکے کہ آدھی دنیا سے زیادہ کا فاتح اور بادشاہ مرنے کے بعد اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے گیا ہے''۔ میرے خیال میں یہ بات ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ غور کریں، تسلیم کریں اور عمل کریں۔

آئیں اب میں اور آپ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے التجا کریں کہ تو ہی سب کا مالک ہے، حاکم ہے، رازق ہے، بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا الغفور الرحیم ہے اور تو ہی بھٹکے ہوؤں کو رستہ دکھانے والا ہے، ہم تو پھر بھی تیرے پیارے محبوب اور ہمارے پیارے آقا جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں کی خاک کے غلام ہیں۔ پس تو آج ہی اسی وقت ہماری عمر کی اسی سال، اسی مہینے، اسی دن اور اسی لمحے ہمیں وہ خاص طاقت، ہمت، جرات، اعتماد، حوصلہ، عقل، ذہانت، فہم، فراست، قوت فیصلہ اور ایمان و یقین اور عمل کرنے کی وہ قوت عطا فرما جو تو اپنے انعام یافتہ لوگوں کو عطا فرماتا ہے (لیکن اس مقام پر بھی انسان کی ذاتی محنت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا) اور ہمیں

سیدھا رستہ دکھاتا کہ ہم اپنے نفس کو قابو کر کے دنیا و آخرت میں کامیاب ہوسکیں اور دنیا میں بھی اور یومِ حشر کو بھی سر اُٹھا کر فخر سے کہہ سکیں کہ یہ اللہ تعالیٰ اور جناب حضور پاک ﷺ کا سچا دین، دینِ اسلام ہی ہے جس کی وجہ سے ہم اپنے نفس کو پچھاڑ کر دنیا میں بھی کامیاب ہوئے اور آج یوم حشر کو بھی کامیاب و کامران ہیں۔

اے میرے مالک مجھ گنہگار، حقیر سمیت ہم سب سے اس لمحہ سے پہلے جتنے بھی گناہ، جتنی بھی غلطیاں اور جتنی بھی کوتاہیاں سرزد ہو چکی ہیں وہ معاف فرما کیونکہ ہم صدقِ دل سے معافی کے طلب گار ہیں اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کمزوریاں ہماری ہی تھیں، غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہماری ہی تھیں، ہم بھٹکے ہوئے تھے اور تیری رحمت کی بارش کے باوجود، قرآن پاک، سنت پاک اور حدیث پاک کے ہوتے ہوئے اُن سے آنکھیں چُراتے ہوئے (اپنی ذاتی محنت کا استعمال نہ کرتے ہوے) اپنے نفس کے غلام بن گے تھے! اب یہ تیری ہی خاص کرم فرمائی اور رحمت ہے جو تو نے ہمیں نفس کی غلامی سے نکلنے کی طاقت، ہمت، کوشش، حوصلہ، جذبہ، عقل اور ذہانت عطا فرمائی ہے اور آئندہ بھی تو نے ہی ہمیں استقامت، مستقل مزاجی اور ایک قول اور ایک فعل والا باعمل مسلمان بننے کی طاقت و توفیق عطا فرمانی ہے، ورنہ ہم تو نہایت کمزور ہیں ہمیں اپنی پناہ میں رکھ (آمین)۔

☆................☆☆................☆

عشق

پیار، محبت اور عشق! تقریباً ایک ہی چیز کے نام ہیں، یہ بتدریج آگے بڑھنے اور جاری و ساری رہنے والے سلسلے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پیار و محبت کے بغیر زندگی ادھوری ہے! جس کی زندہ مثال اپنے مذہب، اپنے والدین، بہن، بھائی، میاں، بیوی، اولاد، دیگر عزیز و اقارب، اپنے ملک، شہر، گاؤں، وہاں بسنے والوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اُس کی نشانیوں و نعمتوں، مظلوموں، ضرورت مندوں، یتیموں، غلاموں اور اللہ تعالیٰ کی دیگر پیدا کردہ جملہ مخلوقات سے پیار و محبت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام سے محبت کرنے والا دراصل اپنے مالکِ حقیقی سے محبت کر رہا ہوتا ہے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ زمانہء جاہلیت میں جب لوگ آپس میں محفلیں سجا کر بیٹھتے تو اکثر اس بات پر بحث کرتے کہ جناب حضور پاک ﷺ انسانوں تو انسانوں، جانوروں پر بھی ظلم کرنے، انہیں مارنے پیٹنے اُن سے زیادہ کام لینے اور اُن پر نشانہ بازی کرنے سے منع فرماتے ہیں، حالانکہ یہ تو جانور ہیں اور ہم ان کے مالک ہیں لہٰذا ہمارا جو جی چاہے ان سے سلوک کریں! لیکن جناب حضور پاک ﷺ چونکہ اصل صورت حال کا علم رکھتے تھے کہ سب کا اصل مالک کون ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کی محبت ہی تھی جس کے لیے آپ ﷺ لوگوں کو انسانوں تو انسانوں، جانوروں اور ہر جاندار چیز پر ظلم و سختی کرنے سے منع فرماتے تھے! کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ یہ سب کچھ اسی قادرِ مطلق کا پیدا کیا ہوا ہے اور ہم کون ہوتے ہیں اُس کی پیدا کی ہوئی اور بنائی ہوئی مخلوقات اور چیزوں کو اذیت پہنچانے والے اور اِن میں نقائص نکالنے والے، تو یہ ہے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اصل روح کہ اُس کی بنائی

Marfat.com

ہوئی ہر چیز اور اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز سے بھی اس لیے محبت کرنا کہ اس کے بنانے والی اور تخلیق کرنے والی وہ ذات پاک ہے اور ہماری اللہ تعالیٰ سے محبت اور ہمارا ایمان و دین صرف اسی صورت میں مکمل ہو سکتا ہے کہ جب تک مذکورہ بالا جملہ اشیاء کے سمیت ہم اپنی جان، اپنے مال، اپنے والدین، اپنی اولاد اور اپنے سب کچھ سے بھی زیادہ اور بڑھ کر جناب حضور پاک ﷺ سے محبت نہ کرلیں اور کوئی ایسا وقت آنے پر اس کا عملاً اظہار بھی نہ کرلیں۔ یہاں تک تو بات قابلِ سمجھ بھی ہے اور قابل عمل بھی اور جو کوئی بھی اس بات کو سمجھ جائے اور پھر اس پر عمل کر جائے تو کیا کہنے لیکن میرے خیال میں اس سے آگے چل کر ایک مسئلہ پیدا ہو رہا ہے وہ کیسے؟ تو آئیں مل کر دیکھتے ہیں! میں نے اپنی زندگی میں محبت کی ایک اور قسم دیکھی اور سُنی ہے اس قسم میں لفظ محبت فقط ایک انسان (مرد) اور ایک دوسرے انسان (عورت) کے گرد گھومتا ہے اب اس سے آگے چل کر لفظ محبت دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ محبت کی ایک شاخ اچھائی بن جاتی ہے اور دوسری شاخ برائی، ہوس، نفس کی تابع اور شیطان کا کھیل۔ اب دیکھتے ہیں کہ محبت کی پہلی شاخ اچھائی کیسے بنتی ہے۔ میرے خیال میں مجازی محبت تقریباً ہر ایک نے کی ہوگی، لیکن ایک بات ہے مجازی محبت جیسی بھی ہو رہتی یہ نفس ہی کے تابع ہے، جس کا مطلوب سوائے حصول کے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ میری ایک بات کا اعتراف تو یقیناً کریں گے کہ مجازی محبت کے سلسلہ میں ہمارا زیادہ بیڑہ دیسی اور بدیسی فلمیں بھی ڈبوتی ہیں، جن میں زیادہ تر لڑکی اور لڑکے کی محبت ہی پر زور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حصولِ محبت کی راہ میں لڑکا اور لڑکی اپنے گھر والوں سے بھی لڑتے ہیں اور ظالم سماج سے بھی ٹکراتے ہیں! آپ بے شک اس بات کو چیک کرلیں کہ پوری فلم میں اگر کوئی بھی لڑکی (ہیروئین) کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لے تو لڑکا (ہیرو) مرنے، مارنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور خود کھلے بندوں اپنی محبت کا استحصال کرتا پھرتا ہے۔ پھر فلم کے آخر میں سب ہار جاتے ہیں اور ہیرو ہیروئین کی محبت جیت جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی فلم کا اختتام ہو جاتا ہے۔ فلم تو ختم ہو جاتی ہے لیکن وہ اپنے مختلف دیکھنے والوں پر مختلف قسم کے اثرات چھوڑ جاتی ہے اور دیکھنے والے انہی خیالوں میں گھومتے رہتے ہیں کہ واہ جی واہ ہیرو، ہیروئین نے اتنی محنت کی تھی لہذا اُن کی اس محنت کا پھل تو انہیں ملنا ہی تھا، لیکن فلم بنانے والوں سے میرا سوال یہ ہے کہ ہیرو، ہیروئین

کی شادی جس پر فلم ختم کی گئی تھی اس سے آگے مستقبل میں پیش آنے والے حالات و واقعات بھی فلم بند کریں اور لوگوں کو ہیرو، ہیروئین کی شادی کے بعد کی زندگی بھی دکھائیں جس میں شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی ساس بہو اور نندوں کے درمیان جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں بیوی کی ناجائز فرمائشیں اور خاوند کے محدود ذرائع آمدن ہوتے ہیں، کچھ عرصہ بعد ہی بیوی کو خاوند آوارہ اور نکما اور خاوند کو بیوی بد دماغ، بدصورت اور بدمزاج لگنے لگتی ہے اور پھر بچوں کی پیدائش کے ساتھ ہی کئی مسائل کا پیدا ہو جانا فطری عمل ہوتا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ ہمت کوئی بھی نہیں کرے گا۔ خیر بات ہو رہی تھی محبت کی تو کچھ لوگوں کو محبت کا حصول ہو جاتا ہے! ان میں سے زیادہ تر کو مذکورہ بالا صورتِ حال کے ساتھ ساتھ اُن مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے جو محبت کی شادی کرنے والوں کو عموماً پیش آتے ہیں اور بعض حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی یہ شادیء محبت کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو پاتی اور بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو اس میدان میں سرخرو ہو پاتے ہیں ورنہ زیادہ تعداد تو اُن لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں اپنی محبت کی تمام تر سچائیوں اور پاکیزگیوں کے باوجود سوائے آنسوؤں، آہوں اور دکھوں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اب مذکورہ بالا افراد جنہیں حصولِ محبت ہوئی یا نہیں ہوئی، اپنی محبت کے نقطہء آغاز سے لے کر نقطہء حصول تک اور اس سے بھی آگے اور دوسرے وہ جنہیں حصولِ محبت نہیں ہوئی انہیں بھی اپنی محبت کے نقطہء آغاز سے لے کر نقطہء نہ حصول تک اور اس سے بھی آگے، اپنی سوچوں، اپنی نگاہوں، اپنے خوابوں، اپنے خیالوں اور اپنے جذبوں تک میں اپنی محبت میں کسی بھی قسم کی کوئی بھی خیانت نہیں کرنی چاہیے، اپنی محبت کا احترام کرنا چاہیے اور اس کی عزت کا ایسے ہی خیال رکھنا چاہیے جیسے ہم اپنی عزت کا خیال رکھتے ہیں تو یہ محبت اچھائی میں شامل ہو گی خواہ اس میں حصولِ محبت ہو یا نہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ مرتے دم تک اپنی محبت میں بھی اور ویسے بھی کبھی بھی کسی بھی قسم کی خیانت نہ کی جائے۔

اب آتے ہیں محبت کی دوسری شاخ کی طرف جس میں انسان اپنے ہاتھوں سے تباہی و بربادی کی طرف جاتا ہے، وہ محبت کو محبت نہیں بلکہ شیطانی کھیل کا ذریعہ بنا کر اس پاک و صاف اور خوبصورت جذبے کو بُرائی، ہوس، دھوکے اور فریب میں تبدیل کر دیتا ہے۔ وہ محبت کو ایک شیطانی جال کی صورت میں استعمال کرتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا کہ دراصل وہ اپنے ہی ہاتھوں بنائے ہوئے

Marfat.com

جال میں خود ہی پھنس رہا ہوتا ہے، وہ اپنی ہوس میں اندھا ہوکر اپنے آپ کو اپنے نفس کا تابع بنالیتا ہے اور محبت جیسے پاک جذبے کو بدنام کرتا ہے جس کی سزا اسے دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ یہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ محبت کو اچھائی میں ڈھال لیں یا دنیا و آخرت میں اپنی تباہی کی صورت میں باقی اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے سچی و پکی توبہ کرنے والوں کو اور پھر ثابت قدم رہنے والوں کو۔

محبت چونکہ ایک قدرتی جذبہ ہے اس لیے اگر یہ جذبہ رہے تو بہت خوب اور اگر جذبات بنادی جائے تو (خراب) میرے خیال میں مرد اور عورت کی محبت دراصل دو فریقوں (مرد اور عورت) کے درمیان احترام کا رشتہ ہے اپنے سے زیادہ دوسرے فریق کی کیئر کرنے کا رشتہ ہے، اپنے سے زیادہ دوسرے کی عزت کرنے اور عزت کا خیال رکھنے کا رشتہ ہے ایک حد میں رہتے ہوئے ایک دوسرے پر اعتبار و اعتماد کا رشتہ ہے اور یہ ایک قربانی کا رشتہ ہے۔ اگر محبت کی پختہ حدوں میں رہتے ہوئے مذکورہ بالا امور انجام دیئے جائیں تو یہ اچھائی ہوگی ورنہ ہوس، بُرائی، فریب، بدامنی، دھوکہ، فساد، نفس کی غلامی، شیطان کا کھیل اور آخر کار تباہی، یہاں بھی اور وہاں بھی۔ میں آپ کو محبت کے متعلق ایک سچا واقعہ سنانا چاہتا ہوں غور کیجئے گا! تو قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک شہزادی کو ایک لڑکے سے محبت ہو جاتی ہے۔ لڑکا ایک معمولی کام کرنے والا ہوتا ہے لیکن ہوتا درویش صفت ہے۔ شہزادی مختلف حیلوں، بہانوں سے اسے پاس بلانے کی کوششیں کرتی ہے لیکن لڑکا ٹالتا رہتا ہے۔ شہزادی لڑکے کے لیے تحائف وغیرہ بھیجتی ہے لیکن وہ تحائف کو شکریہ کے ساتھ واپس بجھوا دیتا ہے۔ شہزادی لڑکے کو بڑے بڑے عہدوں کا لالچ دیتی ہے لیکن لڑکا مسلسل ٹال مٹول سے کام لیتا ہے۔ شہزادی اس لڑکے سے محبت تو کرتی ہے لیکن اب وہ اسے اپنی ضد بھی بنالیتی ہے لیکن مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ شہزادی کی محبت میں نفسانی خواہشات کا عُنصر ہوتا ہے جس کا اِدراک اس درویش صفت لڑکے کو بھی ہو جاتا ہے چنانچہ اسی لیئے وہ شہزادی کے پاس جانے سے گریزاں ہوتا ہے۔ شہزادی چونکہ اپنی اس نام نہاد محبت کو اپنی ضد بنا چکی ہوتی ہے اس لیئے وہ ایک دن اپنی ایک ہوشیار نوکرانی کو تمام بات بتاتی ہے اور اسے انعام واکرام کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کرتی

Marfat.com

ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں اس لڑکے کو اُس تک پہنچائے، نوکرانی شہزادی سے وعدہ کر لیتی ہے کہ وہ ہر صورت میں لڑکے کو شہزادی تک پہنچائے گی۔ نوکرانی لڑکے کے پاس جاتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ بادشاہ سلامت اسے بلا رہے ہیں، اب لڑکا مرتا کیا نہ کرتا وہ نوکرانی کے ساتھ محل میں جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ جب لڑکا محل میں پہنچتا ہے تو نوکرانی اسے ایک کمرے میں داخل ہونے کے لیے کہتی ہے کہ بادشاہ سلامت کمرے کے اندر اُس کا انتظار کر رہے ہیں جب لڑکا کمرے میں داخل ہو جاتا ہے تو نوکرانی پیچھے سے کمرے کا دروازہ بند کر دیتی ہے، جب لڑکا کمرے کے اندر جھانکتا ہے تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے ہی اُڑ جاتے ہیں کیونکہ شہزادی کمرے کے اندر اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے شہزادی کو اس حالت میں دیکھ کر لڑکے کی اپنی حالت بہت بُری ہو جاتی ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ آج ساری عمر کی محنت، ریاضت اور زہدیت پر پانی پھرنے والا ہے اور پھر یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا کہ اپنے نفس پر قابو ہی نہیں رکھ سکا تھا، اس سوچ کے ساتھ ہی لڑکے کی نگائیں جھک جاتی ہیں جب لڑکا نگائیں جھکا لیتا ہے تو شہزادی اُس سے کہتی ہے کہ کیا میرے حسن کی تاب نہیں لا سکے ہو کہ نظریں جھکا لی ہیں۔ اسی وقت رحمتِ الٰہی سے لڑکے کے ذہن میں خیال آتا ہے اور وہ شہزادی کو جواب دیتا ہے کہ آپ کا حسن واقعی لاجواب ہے اسی لیے آپ کے حسن کی تاب نہ لاتے ہوئے میری نظریں جھک گئی ہیں، حالانکہ لڑکے کا نفس اور شیطانی خیالات بار بار اسے کچوکے لگا رہے ہوتے ہیں کہ تم خوش نصیب ہو جو شہزادی کی نظرِ کرم تم پر پڑی ہے لہٰذا اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تم شہزادی کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ حاصل کر سکتے ہو لیکن لڑکا رحمتِ الٰہی کی برکت و روشنی اور اپنی ہمت و کوشش سے اپنے نفس اور اپنے شیطانی خیالات کو رد کرتا جاتا ہے۔ شہزادی جب یہ جواب سنتی ہے تو غرور و تکبر سے قہقہہ بکھیرتی ہے اور سوچتی ہے کہ یہ کیا کوئی اور بھی ہوتا تو وہ بھی میرے حُسن کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا، اسی اثناء میں لڑکا شہزادی سے کہتا ہے کہ میں رفع حاجت کرنا چاہتا ہوں، شہزادی اسے اجازت دے دیتی ہے اور وہ اس وقت کے مطابق بنے ہوئے ٹائلٹ میں چلا جاتا ہے۔ وہاں جا کر لڑکا تمام رفع حاجت اپنے جسم پر مل کر باہر آ جاتا ہے جب

Marfat.com

شہزادی لڑکے کو اس حالت میں دیکھتی ہے تو یکدم اُس کی محبت نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اسے سخت غصہ آتا ہے اور چیخ کر کہتی ہے اے بد بخت! میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے ایک دنیا منتظر رہتی تھی اور میں فقط تمہیں حاصل کرنے کی تدبیریں کرتی رہی لیکن تُو، تو پاگل نکلا۔ دفعہ ہو جاؤ میری نظروں سے اور نوکروں کو حکم دیتی ہے کہ اس پاگل کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔ نوکر لڑکے کو محل سے باہر نکال دیتے ہیں، گھر پہنچ کر لڑکا نہا دھو کر پاک وصاف ہو کر اسی وقت سجدۂ شکر بجا لاتا ہے کہ اے میرے مولا کریم! تو نے آج مجھے ایک بہت بڑے امتحان میں کامیاب کر دیا ورنہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں رہتا۔

اب آپ خود اس بات پر غور کریں کہ اُس لڑکے نے یہ سب کچھ اور باقی تمام محنتیں، ریاضتیں اور عبادتیں صرف اور صرف اپنے مالکِ حقیقی کی محبت میں کیں جن کا مقصود اپنے سچے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا اور اسی طرح کے وقت کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ نے بھی فرمایا تھا کہ ''یہ دنیا ایک جنگل ہے اور آپ اس جنگل سے گزر رہے ہیں اور اِردگرد خاردار جھاڑیاں ہیں پس آپ نے اپنا دامن ان خاردار جھاڑیوں سے بچا کر گزراتے جانا ہے بس یہی تقویٰ ہے'' اور اقبال نے بھی فرمایا تھا کہ:

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

یعنی یہ دنیا، یہ زندگی اور یہ نفس یہ تو انسان کی کامیابی کے ذرائع ہیں (لیکن اگر انسان انہیں متوازن طریقے سے بسر کرے اور ان پر قابو رکھے تو تب) پس وہی تقویٰ اُس لڑکے نے اختیار کیا اور اُس کی اُڑان کو مزید وسعت ملی اور اُس نے قربِ الٰہی کی منازل بھی طے کیں اور وہ امتحان میں بھی کامیاب ہوا۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو اس خاردار جنگل میں سے کامیابی کے ساتھ اپنا دامن بچا کر گزرنے کی طاقت وتوفیق عطا فرمائے اور امتحانِ دنیا میں بھی اور امتحانِ آخرت میں

Marfat.com

بھی ہمیں کامیابی سے نوازے (آمین)۔

تو صاحب! یہ تھا عشقِ الٰہی اور یہ محبت اور عشق ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب اور ہمارے پیارے آقا جناب حضرت محمد ﷺ سے فرمایا اور اسی عشق کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے لئے یہ کائنات بنائی۔ اب آپ فقط غور کریں، سوچیں، سمجھیں اور تسلیم کریں کہ جب یہ محبت اتنا اعلیٰ، اتنا عظیم، اتنا معتبر اور اتنا پاکیزہ جذبہ ہے تو ہم کون ہوتے ہیں اس میں خیانت کرنے والے اور اس میں نئی جدتیں کرنے والے اور اگر کوئی بھی اس پاکیزہ جذبے ورشتے میں خیانت کرے گا تو وہ اس شاندار و عظیم جذبے میں خرابی وخلل کا مرتکب ہو گا، جس کی سزا اسے دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت میں بھی۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے (آمین)۔

☆..................☆☆..................☆

Marfat.com

صبر اور عشق

قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہے ''اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانور اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو اللہ کی خوش نودی کی بشارت سنا دو''

(سورۂ البقرہ)

چنانچہ انسان کو جب بھی کوئی غم، دکھ یا تکلیف پیش آجائے تو اسے چاہیے کہ اس دکھ، غم یا تکلیف کو کسی اور طرح سے منانے یا اسے اپنی جان کا روگ بنانے کی بجائے یہ بات تسلیم کرے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی اس پر اُس کا لاکھوں، کروڑوں دفعہ شکر اور جو چیز اُس نے اتنی کوششوں، تدبیروں، محنتوں، منتوں اور دعاؤں کے باوجود عطا نہیں کی اس پر اُس کا اربوں، کھربوں دفعہ شکر کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں وہی فیصلہ کرتا ہے جو اس کے لیے مناسب اور بہترین ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ انسان ہر حال میں صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی سے قائم رہے، الحمد اللہ کہتا رہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہے۔ حضرت علیؓ کا بھی قول ہے کہ ''مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو'' لیکن کسی ایسی صورت میں کہ انسان خود کوئی بُرا فعل کرے اور اس کی سزا اسے ملے اور پھر وہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اور یہ ہی میرا نصیب تھا، تو یہ صریحاً غلط اور جھوٹی بات ہوگی اور وہ انسان گنہگار بھی ہوگا کیونکہ انسان کے اچھے یا برے اعمال کا بدلہ اسے دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملے گا چنانچہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر سختی سے کاربند رہنے کی کوشش جاری و ساری رکھے اور پھر اسے کوئی امتحان، کوئی دکھ، کوئی تکلیف، کوئی خوشی یا

Marfat.com

کوئی غم پیش آ جائے تو میں لکھ دیتا ہوں کہ یہ تمام چیزیں اُس کے فائدہ ہی کے لیے ہوں گی اور ان حالات میں بھی اگر انسان الحمد اللہ کہتا رہے، ایمان و یقین مضبوط رکھے، صبر کرے اور ثابت قدم رہے تو پھر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کامیابی و کامرانی اُس کا مقدر بنا دی جائے گی اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کا بھی قول ہے کہ ''صبر میں کوئی مصیبت نہیں اور رونے میں کوئی فائدہ نہیں'' مجھے کچھ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ عشق اور صبر کا آپس میں کوئی تعلق ضرور ہے اور بابا بلھے شاہ نے عشق کی جو تعریف بیان کی ہے اُس کے مطابق:

عشق دی ہستی مستی یار مٹا دیوئے
اگ عشق دی دل دی توہی جلا دیوے
اوکھے پینڈے لمیاں راہواں عشق دیاں
بجاں باجوں لاکھ صفاتاں عشق دیاں
وکھری کلی دن تے راتاں عشق دیاں
چوداں طبقاں اندر تھاواں عشق دیاں
اوکھے پینڈے لمیاں راہواں عشق دیاں

اور کچھ لوگوں کو میں نے عشقِ مجازی کے متعلق یہ بھی کہتے ہوئے سنا ہے کہ بعض دفعہ عشقِ مجازی اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ عشقِ الٰہی میں تبدیل ہو جاتا ہے، خیر مجھے تو اس بات کا کوئی خاص علم نہیں کہ ایسا ہوتا ہے کہ نہیں لیکن جمعہ والے دن جب میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں مسجد گیا تو امام صاحب جس موضوع پر تقریر بیان کر رہے تھے. وہ موضوع تھا عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی! دورانِ تقریر امام صاحب نے ایک واقعہ سنایا جو میں آپ لوگوں کو بھی بتانا چاہوں گا۔

یہ واقع حضرت عیسیٰ کے زمانے سے متعلق ہے واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ کا گزر کسی گاؤں سے ہوا، آپ وہاں ایک دو دن کے لیے رُک گے۔ اس گاؤں میں آپ کو ایک لڑکا ملا۔ اُس نے آپ سے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے عشق کرتا ہوں، آپ میرے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے عشق میں غرق کر دے، آپ نے اس لڑکے سے وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے حق میں

Marfat.com

دعا کروں گا۔ خیر حضرت عیسیٰ واپس تشریف لے گے، کچھ عرصہ بعد آپ کا گزر دوبارہ اسی گاؤں سے ہوا تو آپ کو اُس لڑکے کے متعلق خیال آیا، آپ نے لوگوں سے اُس کے متعلق دریافت فرمایا تو لوگوں نے آپ کو بتایا کہ یا حضرت پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تو ٹھیک ٹھاک تھا اب وہ نہ کچھ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے، ہر وقت اس سامنے والے پہاڑ پر کھڑے ہو کر اوپر آسمان ہی کی طرف دیکھتا رہتا ہے اور اللہ ہی اللہ کرتا رہتا ہے۔ یہ سُن کر آپ مسکرائے اور فرمایا خدا کی قسم اُس نے ایسے ہی کرنا تھا اور اب اگر اُس کو درمیان میں سے آری کے ساتھ کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم بھی کر دیا جائے تو تب بھی وہ آسمان ہی کی طرف دیکھے گا اور اُس کے خون کا ایک ایک قطرہ بھی اللہ ہی اللہ پکارے گا۔

تو کتنا عظیم انعام اُس لڑکے کو حاصل ہوا اور اُس کی التجا، اُس کی تمنا اور اُس کی خواہش پوری ہوئی اور وہ عشق الٰہی میں غرق ہو کر دنیا و آخرت میں فلاح پا گیا اور یہ عشق ہی تھا جو حضرت حارثؓ نے اللہ تعالیٰ سے، جناب حضور پاک سے یعنی دینِ اسلام سے فرمایا۔ یہ عشق ہی تھا جو حضرت امام حسن حضرت امام حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ سے، جناب حضور پاک سے یعنی دینِ اسلام سے فرمایا۔ یہ عشق ہی تھا جو غازی علم دین شہید نے اللہ تعالیٰ سے، جناب حضور پاک سے یعنی دینِ اسلام سے فرمایا۔ یہ عشق ہی تھا جو عامر چیمہ نے اللہ تعالیٰ سے، جناب حضور پاک سے یعنی دینِ اسلام سے فرمایا اور یہ عشق ہی ہے جو محمد یوسف نے اللہ تعالیٰ سے، جناب حضور پاک سے یعنی دینِ اسلام سے فرمایا ہے اور اس عشق کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔

فقط کچھ لمحوں کے لیے اسی مقام پر ٹھہر جائیں اور غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت ایک ذرے کے سوویں حصے سے بھی کم اس لڑکے کو عطا فرمائی اور اس خوش نصیب کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ عشق الٰہی میں غرق ہو گیا لیکن میرے آقا دو جہاں کی شان دیکھیئے کہ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت کے سمندر موجزن تھے (اور ہیں) اور یہ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات تخلیق فرمائی، پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے اور پھر ان میں سے بعض پر الہامی کتابیں نازل فرمائیں، یہ سب پیغمبر، یہ سب الہامی مذاہب اور یہ سب الہامی کتابیں دراصل

Marfat.com

دینِ اسلام ہی کے سلسلہ کو آگے بڑھانے کی کڑی تھے جن کا اختتام نبی آخر الزماں، تمام پیغمبروں کے سردار، رحمت اللعالمین جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دینِ اسلام پر پہنچ کر ہونا تھا اور پھر ہوا۔ پھر یہ آپ سے اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی اور ہماری اللہ تعالیٰ سے اور آپ سے محبت و عشق کا ثمر ہی ہے کہ آج دنیا بھر میں کروڑوں نہیں اربوں فرزندانِ توحید ایک اللہ (اور اللہ تعالیٰ کے احکامات) ایک نبی (اور نبی کی تعلیمات) یعنی ایک سچے دین، دینِ اسلام کے پیروکار ہیں اور آج دنیا بھر کے لوگ دینِ اسلام ہی کی ابدی پناہوں میں لوٹ کر آ رہے ہیں، کیونکہ یہاں ہی حق ہے اور یہاں ہی سکون ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابیوں کا نسخہ بھی۔ میری اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ مجھ گنہگار سمیت ہم سب کو سچا و پکا عاشقِ خدا، سچا و پکا عاشقِ رسول یعنی سچا و پکا عاشقِ اسلام بننے کی طاقت و توفیق عطا فرمائے اور جو اس راہ کے مسافر ہیں انہیں ہر ہر لمحہ ثابت قدمی عطا فرمائے۔

(آمین)

☆..................☆☆..................☆

نظر (نگاہ)

زباں سے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

نظر چونکہ نور ہے لہٰذا نظر کے بڑے کمال ہیں اور یہ نظر ہی ہے جس سے انسان اوجِ کمال بھی حاصل کر سکتا ہے اور پستی میں بھی گر سکتا ہے اور نظر ہی سے انسان فیض یاب بھی ہو سکتا ہے لیکن ایسا ہونے کے پیچھے نہایت محنت، ریافت، صبر، یقین، خوش بختی، توکل، قناعت اور غور و فکر کا ہونا لازمی ہے۔ نظر چونکہ کیمرے کی طرح کام کرتی ہے اور اس کا عکس سیدھا دل و دماغ پر جا کر بنتا ہے اس لیے نظر ہمیشہ نیچی رکھنی چاہیے کیونکہ اُٹھی ہوئی نظر سے زیادہ تر خرابی کا احتمال ہوتا ہے اسی لیئے حضرت علیؓ نے بھی فرمایا تھا کہ "پہلی قدرتی نظر اٹھنے کی اجازت ہے لیکن ارادتاً دوسری اٹھنے والی نظر شیطان کی نظر ہوتی ہے" آج ہر طرف نام نہاد آزادی نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے اور آج آپ لڑکوں کے عموماً اور خواتین کے خصوصاً فیشن اور ملبوسات دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ آج (مسلم۔ پاکستانی) خواتین نے فیشن کے پیچھے بھاگتے ہوئے لباس کے نام پر لعنت زیب تن کر لی ہے۔ سر سے دوپٹہ کب کا اُٹھ چکا ہے، اچھی خاصی مہذب اور پڑھی لکھی فیملیز کے حالات دگر گوں ہو چکے ہیں، ہر طرف افراتفری کا عالم ہے اور ہر کوئی دوسروں کی تقلید میں اندھا دھند نا معلوم منزل کی طرف دوڑ رہا ہے۔ آج آپ پاکستان کے کسی بھی شہر میں چلے جائیں اور جا کر خود دیکھ لیں کہ وہاں ہوٹلز میں، ہاسپٹلز میں، کالجز وغیرہ میں اور پبلک پلیسز اور

Marfat.com

شاپنگ پلیسز وغیرہ پر مرد خصوصاً اور خواتین یقیناً ایسے بن سنور کر آتی ہیں کہ جیسے خُدانخواستہ ایسی خاص تیاری کے بغیر وہاں اُن کا داخلہ ہی ممنوع ہو اور پھر یہ خواتین وحضرات ایک دوسرے کو دعوتِ نظارہ پیش کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں، میں اِن لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ یہ ایسی آزادی انہیں دی کس نے ہے؟ اور کیا یہ اُن کے مذہب، اُن کے ضمیر یا انسانیت کا تقاضا ہے کہ اپنے آپ کو ہر ایک پر ایکسپوز کرتے پھرو اور جو لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہیں کیا وہ اس بات کا جواب دیں گے کہ ایسا کرنے کے پیچھے اُن کے مقاصد کیا ہوتے ہیں؟ میں یہ بات بھی لکھ دیتا ہوں کہ اگر خواتین گھر سے غیر ضروری طور پر نکلنا بند کر دیں اور اگر ضرورت ہو تو سادگی سے نیچی نگاہ اور پردہ کے انتظام کے ساتھ باہر نکلیں تو آپ کو عوام الناس کا بے پناہ رش، ہنگامی اور غیر ضروری طور پر دیکھنے کو نہیں ملے گا (اور ہنگامی حالات کی پیدا شدہ جذباتی محبتوں کا ریٹ بھی کافی کم ہو جائے گا) آج ہمارے معاشرے میں جو بگاڑ، بدامنی، فساد، بے چینی اور نفانفسی ہے تو یہ سب کیبل، ڈش، سیڈیز، نیٹ اور فونز وغیرہ کی بے ہنگم بھرمار اور اِن کے غلط استعمال کی وجہ سے اور اسلام سے دوری کی وجہ سے ہے (لیکن ایک بات ہے کہ موجودہ ماحول اور مذکورہ بالا اشیاء ہمارے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں اور امتحان کا درجہ بھی کہ ان خاردار جھاڑیوں میں سے ہم اپنا دامن بچا کر کیسے گزرتے ہیں)؟ میرے خیال میں موجود حالات میں سروائیو فقط دو چیزوں کے ملاپ سے کیا جا سکتا ہے ایک نفوذِ شریعتِ محمدی سے اور دوسرے اپنے نفس پر قابو پا کر کیونکہ آج حالات اتنے بھیانک ہو چکے ہیں کہ سوتے ہوئے بھی اپنے نفس کے ساتھ جنگ جاری رکھنا پڑتی ہے اور یہ جنگ تو ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گی، لیکن اس جنگ کو کُمک اور موجودہ بگاڑ کا واحد حل قرآن وسنت کے نفوذ اور ان پر عمل ہی کی صورت میں ممکن ہے اور آپ ﷺ نے بھی فرمایا تھا کہ ''اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے'' (بخاری)۔ یعنی (یہ بھی نفس پر قابو پانے اور بگاڑ کے حل کا ذریعہ ہے) اور دوسرے یہ کہ خواتین کو چاہیے کہ اپنی عظمت کو پہچانیں جو فقط اسلام کے توسط سے اُنہیں ملی ہے اور خدارا ہرگز اپنے آپ کو ایکسپوز مت کریں، کیونکہ آج آپ فقط نمائش اور بزنس کا زریعہ بن چکی ہیں۔ اپنا لباس درست کریں، پردہ کا

مناسب اہتمام کریں اور اپنا مقام پہچانیں کیونکہ آپ کا سنورنا، آپ کے لیے فقط آپ کے مجازی خدا کی خاطر جائز ہے اس کے علاوہ آپ کا یوں غیر محرموں کے سامنے جانا صرف خرابی ہی کا باعث بنتا ہے اور میں محترم خواتین کے سامنے ایک ٹاسک رکھتا ہوں کہ اسلام نے آپ کو اتنی عظمت اور بزرگی سے نوازہ ہے تو آج آپ اسلام کو اس کے بدلے میں کیا لوٹا رہی ہیں؟ اور آپ ﷺ کا ارشادِ پاک بھی ہے کہ ''ہر دین کی پہچان الگ الگ ہوتی ہے دینِ اسلام کی پہچان حیاء ہے'' (امام مالک) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ غیر ملکی میڈیا کا تو کام ہی یہی ہے کہ مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے رستہ پر ڈالا جائے اور نام نہاد آزادی کی ایک ہوا دے دی جائے کیونکہ میڈیا وار زور و شور سے جاری و ساری ہے لیکن ہمارے اپنے لوگوں کو چاہیے کہ وہ غیر ملکی میڈیا کی اندھی تقلید بند کریں اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی نظریات کو فوکس کریں اور اس سلسلہ میں اہم اقدامات کریں کیونکہ ایسا کرنے ہی میں ہم سب کا اور پوری انسانیت کا فائدہ ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اگلے جہاں ہماری زبان، ہماری آنکھوں، ہمارے کانوں، ہمارے ہاتھوں، ہمارے دل و دماغ اور ہمارے پاؤں نے بھی گواہی دینی ہے کہ جو کچھ ہم دنیا میں کرتے رہے ہوں گے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنی آنکھوں، اپنی زبانوں، اپنے کانوں، اپنے ہاتھوں، اپنے دل و دماغ اور اپنے پاؤں کی حفاظت کر کے بھی ہم اپنے نفس کو زیر کر سکتے ہیں اور قرآن پاک میں بھی واضح حکمِ الٰہی ہے کہ ''جس چیز کا تجھے علم نہیں اُس کی پیروی نہ کر کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں تجھ سے باز پُرس ہو گی''

(بنی اسرائیل 36)

☆.............☆☆............☆

Marfat.com

احترام

احترام ایک نہایت اعلیٰ و معتبر جذبہ ہے اس لیے ہر انسان کو دوسرے زی روح کا احترام کرنا چاہیے اور ایک دوسرے کی جان و مال، عزت و آبرو کا خیال رکھنا اور غمی و خوشی میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا اور خیال رکھنا جذبہء احترام ہی ہے اور انسانیت کا تقاضا اور احترام بھی یہی ہے کہ کسی بھی فرد کو (انڈر اسٹیمیٹ) نہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے لیے، انسان تو انسان ہر جان دار اور بے جان چیز کا خیال رکھنے اور اُن کا احترام کرنے کے انتہائی سخت احکامات ہیں۔

ہمیں کسی کے بھی ساتھ منافقت بھرا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو بات بھی ہو وہ ایک دوسرے کے سامنے کھل کر بیان کرنی چاہیے اور غیبت سے بچنا چاہیے اور اگر کسی سے کوئی گلہ، شکوہ یا شکایت ہو تو بجائے دوسروں کے سامنے اُس کی پیٹھ پیچھے اُس کا گلہ، شکوہ یا شکایت بیان کرنے کے ہمیں بذاتِ خود اُس بندے کے پاس چلے جانا چاہیے اور اسے بتانا چاہیے کہ مجھے تم سے یہ گلہ یا شکوہ ہے! ایسا کرنے سے منافقت، غیبت، بغض اور کینہ سے بھی بچا جا سکتا ہے اور آپس میں کوئی بدمزگی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ میں نے کئی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں (ایسے لوگ منہ پر کچھ اور ہوتے ہیں اور پیٹھ پیچھے کچھ اور) لیکن جب یہ ہی لوگ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کی تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں، ایک دوسرے کے منہ چومتے ہیں اور سلامتی کی دعائیں کرتے اور بلائیں لیتے ہیں لیکن پتہ نہیں یہ لوگ جب ایسا منافقت بھرا رویہ اختیار کرتے ہیں تو اس وقت اُن کا ضمیر کہاں ہوتا ہے؟ پتہ نہیں اس وقت انہیں خوفِ خدا کیوں نہیں ہوتا اور پتہ نہیں ایسے لوگ معاشرے میں

Marfat.com

کون سامنہ لے کر پھرتے ہیں اور پھر بھی معزز و محترم کہلوانے کی سرتوڑ کوششیں کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسے منافق لوگ خدا تعالیٰ کے بھی مجرم ہوتے ہیں اور مخلوقِ خدا کے بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہمیں منافق ہونے اور منافقت بھری زندگی گزارنے سے بچنے کی طاقت و توفیق عطا فرمائے اور ارشادِ نبوی بھی ہے کہ "ایک آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اُس کا کچھ تعلق نہ ہو" (ترمذی)۔ ہمیں اپنے والدین کا احترام، اپنے چھوٹوں پر شفقت اور عورتوں اور بڑوں کی عزت کرنی چاہیے۔

انسان کو زندگی میں خواہ کتنی بڑی خوشی مل جائے یا اسے کتنے بھی بڑے غم کا سامنا کرنا پڑ جائے، اُس کے جذبات عموماً پانی کی شکل میں اس کی آنکھوں سے نکلتے ہیں جو آنسو کہلاتے ہیں۔ میری سوچ اور تجربے کے مطابق آنسو اللہ تعالیٰ کا ایک کرشمہ بھی ہیں اور انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک تحفہ بھی کیونکہ یہ انسان کا کسی بھی قسم کا بوجھ ہلکا کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں اور آنسو خواہ ماں کے ہوں یا بہن کے بیوی کے ہوں یا بیٹی کے انتہائی محترم و قیمتی ہوتے ہیں، لیکن مرد کے آنسو اور مردوں میں خصوصاً باپ کے آنسوؤں کی قدر و منزلت انتہائی زیادہ ہے کیونکہ یہ اس کی زندگی میں کم ہی نکلتے ہیں، لیکن جب نکلتے ہیں تو انتہائی قیمتی موتیوں سے بھی قیمتی اور معتبر بن جاتے ہیں لیکن وہ آنسو جو خواہ کسی عورت کے ہوں یا مرد کے اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کے دوران یا اپنے اللہ تعالیٰ کے خوف سے یا سجدۂ شکر بجا لاتے ہوئے نکلتے ہیں تو ان کی نعم البدل کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی۔

انسان میں غرور و تکبر قطعاً نہیں ہونا چاہیے بلکہ عاجزی و تواضع انسان کا خاصا ہونا چاہیے، کیونکہ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے اور پھل جھکی ہوئی ٹہنی کو لگتا ہے۔ والدین کے بعد انسان کی تربیت کے زمہ دار انسان کے اساتذہ ہوتے ہیں اور استاد کو چونکہ روحانی باپ قرار دیا گیا ہے اس لیے استاد کا احترام نہایت ضروری ہے اور کامیاب وہی ہوتے ہیں جو با ادب ہوتے ہیں۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ اساتذہ (مالی لحاظ) سے اسی مقام پر رہ کر اپنے طالب علموں کو علم سے نوازتے رہتے ہیں جب کہ اُن کے طالب علم ترقی کر کے کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں اور جب اُن کے طالب علم

Marfat.com

ترقی کی منازل طے کرتے ہیں تو اُن کے اساتذہ کو انتہائی خوشی ہوتی ہے اور وہ فخر کے ساتھ دوسروں کو بھی بتاتے ہیں کہ آج اُن کے ہاتھوں لگائے ہوئے پودے تناور درخت بن چکے ہیں اور جیسے اُن طالب علموں کی ترقی و کامیابی پر اُن کے والدین کا نام اونچا اور روشن ہوتا ہے ایسے ہی اُن کے اساتذہ کا نام بھی روشن ہوتا ہے اور اُن اُن اداروں کا بھی جہاں وہ تحصیلِ علم کے لیے جاتے رہے ہوں گے، کیونکہ استاد اور یہ تعلیمی ادارے مقدس چراغ ہیں جن کا کام ہر لحہ مقدس روشنی پھیلانا اور معاشرے کو منور کرنا ہے۔اس لیے اپنے اساتذہ اور تعلیمی اداروں کا نہایت احترام کرنا چاہیے۔

استاد کے ساتھ ساتھ اپنے پیش امام کا بھی احترام کرنا چاہیے، امام کا احترام ہمیں مسجد میں بھی کرنا چاہیے اور مسجد سے باہر بھی، حالتِ نماز میں بھی کرنا چاہیے اور عام گفتگو کے دوران بھی۔ اسلام میں امام کے ساتھ ساتھ مسجد کے احترام کے متعلق بھی انتہائی سخت احکامات ہیں مسجد میں نہ تو شور وغل کرنا چاہیے اور نہ ہی بحث ومباحثہ اور مسجد کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے مسجد میں احترام سے بیٹھنے سے بھی اجر وثواب ملتا ہے (لیکن اگر مسجد میں جاتے ہوئے، مسجد میں پہنچ کر یا مسجد سے نکلتے ہوئے شور وغل یا ہنسی مذاق کیا جائے تو یہ بھی دکھاوے میں شامل ہوگا اور ہر قسم کا دکھاوا منافقت میں شامل ہوتا ہے)۔

وضو کا احترام یہ ہے کہ اسے پوری صحت کے ساتھ، خاموشی سے کیا جائے۔نماز کا احترام یہ ہے کہ اسے صحیح وقت پر پوری یکسوئی، پورے خشوع وخضوع اور مکمل عاجزی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ نعت کا احترام یہ ہے کہ کوئی بھی ایسی نعت نہ پڑھی جائے، جس کی طرز کسی گانے وغیرہ کی طرز سے ملتی ہو۔اذان کا ہمیں انتہائی زیادہ احترام کرنا چاہیے، کیونکہ یہ لوگوں کو حق کی طرف بلانے کی دعوت ہوتی ہے اس لیے جب اذان ہو رہی ہو تو اذان کو مکمل خاموشی سے، غور کے ساتھ سننا چاہیے اور ساتھ ساتھ اذان کا جواب بھی دینا چاہیے اور جب اذان ہو رہی ہو تو اگر لیٹے ہوئے ہوں تو بیٹھ کر اذان سننی چاہیے اور جو کام بھی کر رہے ہوں اس سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔

قرآن پاک اور دیگر مذہبی کتابوں کا احترام ہمارا فرضِ عین بھی ہے اور ثواب کا ذریعہ بھی لیکن میں

Marfat.com

نے کئی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ قرآن پاک اور دیگر مذہبی کتابوں کا دل سے احترام بھی کرتے ہیں اور احترام کا اظہار بھی لیکن بعض اوقات اُن کے جذبوں کی تمام تر سچائیوں کے باوجود اُن کی نادانست میں تھوڑا بہت مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے جو کہ نہیں ہونا چاہیے اور وہ مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ جب تلاوتِ قرآن کر رہے ہوتے ہیں تو بعض اوقات وہ تلاوت کے ساتھ ساتھ اردگرد کی باتوں میں بھی دخل انداز ہوتے نظر آتے ہیں جو کہ غلط بات ہے کیونکہ قرآنِ پاک تو سرچشمہء ہدایت، ضابطہ حیات اور نیکیوں کا منبع وذریعہ ہے اس لیے اسے پوری توجہ سے پڑھنا چاہیے اور اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے، جس کا ثبوت ہمیں تاریخ میں حضرت عمرؓ فاروق کے قبولِ اسلام کے واقعہ سے ملتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ فاروق کو علم ہوا کہ اُن کے بہن اور بہنوئی بھی اسلام قبول کر چکے ہیں تو وہ غصے سے بھرے ہوئے اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، تلوار ہاتھ میں تھی اور ارادے خطرناک۔ جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو اندر سے بہن حضرت فاطمہؓ اور بہنوئی حضرت سعیدؓ بن زید کو حضرت خبابؓ بن الارت سے قرآن پاک پڑھتے سنا! جب بہن کو علم ہوا کہ حضرت عمرؓ آئے ہیں تو انہوں نے قرآن پاک کے اوراق چھپا دیئے، حضرت عمر نے بہنوئی سے پوچھا کہ کیا پڑھ رہے تھے اور ساتھ ہی بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا، بہن نے چھڑانا چاہا تو حضرت عمرؓ نے انہیں بھی مارا۔ اُن کی بہن نے آخر کار جوش میں آکر حضرت عمرؓ سے کہا کہ جو جی چاہے کر لو ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ نے بہن کو زخمی حالت میں دیکھا تو شرمندگی ہوئی اور نرمی سے کہا کہ مجھے بتاؤ کیا پڑھ رہے تھے؟ حضرت فاطمہ نے اُن سے کہا کہ پہلے نہا کر آئیں تب آپ ان مقدس اُوراق کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ حضرت عمر نہا کر آئے اور قرآن پاک کے ان اوراق کو پڑھنے لگے جو اس وقت آپ کی بہن کے گھر میں موجود تھے، ایک ایک لفظ سیدھا دل ودماغ پر اثر کر رہا تھا اور جب اس آیت پر پہنچے کہ ''اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ'' تو بول اٹھے کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں اور یوں آپ نے اسلام قبول کیا لیکن اس بات میں ہمارے لیے بہت بڑا سبق پوشیدہ ہے اور غور کرنے کا مقام بھی کیونکہ ایک تو حضور پاک ﷺ کی دعا پوری ہوئی جو آپ ﷺ نے مانگی تھی کہ اے اللہ'' ابوجہل یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک سے

اسلام کو تقویت دے‘‘ اور یہ سعادت حضرت عمرؓ کے حصہ میں آئی اور دوسرے یہ کہ جب آپ اپنی بہن اور بہنوئی کو مارنے کی غرض سے اُن کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ کے کانوں میں قرآن پاک کے الفاظ پڑے تو دل و دماغ نے اُن کا اثر قبول کیا اور جب توجہ سے انہیں پڑھا اور سمجھا تو یکدم دل کی حالت ہی بدل گئی اور حق کے آگے گردن جھکا دی لیکن اس واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی تو زبان عربی تھی جس سے انہیں قرآن پاک پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہوئی، لیکن میرے سمیت اکثر لوگ جو قرآنِ پاک کا ترجمہ نہیں جانتے لیکن فقط تلاوت کرتے ہیں تو فقط اس تلاوت کی اتنی برکت و رحمت ہوتی ہے اور اتنا سکون و ثواب ملتا ہے کہ جس کا اندازہ ہی نہیں اور جو لوگ قرآنِ پاک کو پڑھتے ہیں، اس کے معانی سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں تو اُن کے لیے یہ برکت، رحمت، سکون اور ثواب کے ساتھ ساتھ دل کی، روح کی اور جسم کی ہر بیماری کا علاج، ضابطہء حیات اور زندگی کے ہر سوال کا جواب بن جاتا ہے۔ اس لیے قرآنِ پاک کو ترجمہ کے ساتھ، غور سے پڑھنا چاہیے، اسے سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ جب تلاوتِ قرآن کر رہے ہوں تو دورانِ تلاوت کوئی اور بات نہیں کرنی چاہیے اور اگر مجبوری ہو اور کوئی بات کرنی ہو یا کسی بات کا جواب دینا ہو تو بات کرنے کے بعد جب دوبارہ تلاوت شروع کرنی ہو تو پہلے اعوذ باللہ سے بسم اللہ تک پڑھنا چاہیے اور پھر تلاوت شروع کرنی چاہیے اور جتنی مرتبہ بھی بات کرنی پڑ جائے تو اسی عمل کو ہی دہرانا چاہیے لیکن کوشش کرنی چاہیے کہ تلاوت کے دوران توجہ کسی اور طرف مبذول نہ ہو، پھر یہ کہ قرآن پاک ایسی جگہ بیٹھ کر پڑھنا چاہیے جہاں کسی کی اس کی طرف پیٹھ نہ ہو۔ قرآن پاک کو ایسی جگہ رکھنا چاہیے جہاں اس کی کسی بھی قسم کی بے حرمتی نہ ہو، پھر یہ بات بھی احترامِ قرآن میں شامل ہے اور اس کی اجازت بھی ہے کہ ایک وقت میں اتنی ہی تلاوت کرنی چاہیے جتنی سکت ہو اور جتنی تلاوت آسانی سے ہو سکے۔

اسی طرح بعض رسالوں، کتابوں اور اخبارات وغیرہ میں آیاتِ قرآنی، ان کے تراجم، احادیث مبارکہ، انبیاء کے نام، واقعات، الہامی کتابوں کے تذکرے اور اسلامی نقطہء نظر سے متعلق مواد پایا جاتا ہے ان میں سے اکثر کتابیں، رسالے اور اخبارات وغیرہ ہماری لاپرواہی کی وجہ سے بے حرمتی کا شکار ہو

Marfat.com

جاتے ہیں لہٰذا اس طرح کے مواد کو اونچی جگہ رکھنا چاہیے اور ان کی حفاظت کا مناسب انتظام کرنا چاہیے اور جہاں بھی یہ پاک مواد ملے اس کا خاطر خواہ بندوبست کرنا چاہیے، ایسا کرنا انتہائی احترام کا اظہار اور ثواب کا ذریعہ ہوگا۔ ہمیں چاہیے کہ کسی بھی صورت میں قبلہ کی طرف منہ کر کے نہیں تھوکیں اور نہ ہی قبلہ کی سمت پاؤں کریں اور کوشش کی جائے کہ نہ ہی قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے سویا جائے۔ اسی طرح اُلٹے ہو کر سونے کی بھی ممانعت ہے اور اگر کوئی چیز بھی اُلٹی ہو یعنی اس کی اُلٹی سائیڈ آسمان کی طرف ہو رہی ہو تو اسے سیدھا کر دینا چاہیے اور رستے میں سے رکاوٹ (پتھر، لکڑی یا ہڈی وغیرہ) کا ہٹا دینا بھی باعث ثواب ہوتا ہے۔ ایک بزرگ تھے اُن کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جس رستے پر چل کر مسجد جاتے تھے اُس پر تھوکتے نہیں تھے، کسی نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے الحمدللہ اس رستہ پر کبھی بھی نہیں تھوکا جس پر چل کر میں اللہ تعالیٰ کے گھر جاتا ہوں کیونکہ میں مسجد کا بھی احترام کرتا ہوں اور رستے کا بھی۔ اسی طرح ہمیں کھانے پینے والی اور اپنے روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کا بھی احترام کرنا چاہیے، انہیں ضائع نہیں کرنا چاہیے اور ان کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں اپنے ملازمین اور ہر اس جاندار اور بے جان چیز کا خیال رکھنا چاہیے جو ہمارے زیرِ اثر ہو کیونکہ ان کی خدمت کرنا اور ان کا احترام کرنا ہماری ذمہ داری ہوتی ہے اور ان کے متعلق ہم اللہ تعالیٰ کو جوابدہ ہوں گے۔ اسی طرح جو کوئی بھی خواہ وہ کسی گھر کا سربراہ ہو، کسی مدرسے کا، کسی فیکٹری کا یا کسی ملک کا سربراہ ہو وہ اپنے گھر والوں، اپنے ملازموں اور اپنی رعایا کے متعلق جوابدہ ہوگا۔

ہمیں قسمیں اٹھانے اور وہ عہدو پیماں جنہیں نبھانا مشکل ہو جائے کرنے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ بعض اوقات ہم میں سے اکثر لوگ حالتِ خوشی میں، غصہ میں یا کسی مجبوری کے تحت قسمیں اٹھالیتے ہیں یا وعدے کر لیتے ہیں لیکن ہمارے لیے زیادہ تو ان قسموں اور وعدوں کو نبھانا مشکل ہو جاتا ہے اور پھر ان سے راہِ فرار کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اور اگر راہِ فرار اختیار کی جائے تو راہِ فرار اختیار کرنے والا گناہ گار الگ ہوتا ہے، اسے اپنی قسم یا وعدہ توڑنے کا کفارہ الگ ادا کرنا پڑتا ہے اور معاشرہ میں اس کا اعتماد الگ مجروح ہوتا ہے اس لیے عادتاً اور مجبوراً قسمیں اٹھانے

Marfat.com

اور وعدے کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور اگر کوئی انتہائی مجبوری ہو تو سوچ سمجھ کر قسم اٹھانی چاہیے یا وعدہ کرنا چاہیے تا کہ آدمی انہیں آسانی سے نبھا سکے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ جوانی میں آدمی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ مجھے نہ تو موت آنی ہے اور نہ ہی مجھ پر بڑھاپا آنا ہے۔

بُلھے شاہ اساں مرنا ناہی
گور پیا کوئی ہور

حالانکہ موت تو ایک اٹل حقیقت ہے اور بڑھاپے کے متعلق یہ کہ اگر جوانی میں موت آ جائے تو پھر بڑھاپا کہاں؟ لیکن اگر موت مہلت دے تو پھر بڑھاپے کا آنا بھی ایک اٹل حقیقت ہے اس لیے ہمیں موت یا بڑھاپا آنے سے قبل اپنی موت اور بڑھاپے کی تیاری کرنی چاہیے، ان کا انتظار کرنا چاہیے اور ان کا احترام کرنا چاہیے۔

☆..................☆☆..................☆

Marfat.com

سلام

سلام کے لغوی معنی ہیں اطاعت کے لیے جھکنا اور عیوب و نقائص سے پاک اور بری ہونا سلام اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے کیونکہ اُس کی ذات بھی ہر عیب سے پاک ہے۔ سلام کے متعلق آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے کہ ''سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑی تعداد کے لوگ بڑی تعداد کے لوگوں کو سلام کہیں'' (صحیح بخاری و مسلم)۔ سلام کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدمؑ کی رسم قرار دیا ہے اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس رسم کو عام کرے، آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ ''آپس میں سلام کو پھیلاؤ'' (طبرانی، مجمع الزوائد) اور احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ سلام کرنے میں پہل فرماتے اور اپنے سے چھوٹوں کو بھی سلام کرتے۔ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے سلام کرنے اور اس کا جواب دینے کی اتنی زیادہ تلقین کیوں فرمائی؟ تو معلوم کچھ یوں ہوتا ہے کہ جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے ایک تو اسے نیکیاں ملتی ہیں اور دوسرے یہ کہ سلام کرنے سے وہ دوسروں کو سلامتی و رحمت کی دعائیں دیتا ہے اور جواباً دوسرے بھی اس کے حق میں سلامتی، رحمت اور برکت کی دعائیں لوٹاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ معاشرتی طور پر دیکھ بھی لیں اور آزما بھی لیں کہ، آپ کسی دوکان، کسی ہسپتال، کسی ہوٹل، کسی دفتر، کسی گھر یا کسی بھی پبلک پیلس یا کہیں بھی چلے جائیں تو اگر آپ کسی بھی قسم کی گفتگو شروع کرنے سے قبل اپنے مخاطب کو خوش خلقی سے سلام کریں اور پھر اپنا مدعا بیان کریں تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا مخاطب آپ کو اچھا رسپانس بھی دے گا اور آپ

Marfat.com

کی بات توجہ سے بھی سنے گا کیونکہ آپ نے اپنی بات کی ابتداء ہی اس کے حق میں خیر وسلامتی کی دعا کر کے کی ہو گی، اس طرح جواباً وہ بھی آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے آپ کی سلامتی وخیر کی دعا مانگے گا۔لیکن اکثر ایسے ہوتا ہے کہ بجائے آپس میں ایک دوسرے کو دعا دینے کے ہم انجانے پن میں ایک دووسرے کو بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں جس کا ثبوت ہمیں کچھ یوں ملتا ہے کہ عہدِ نبوی میں یہودی اپنے بغض وکینہ کے اظہار کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے، جب وہ مسلمانوں سے ملتے اور سلام کرتے تو اسلامُ علیکُم (تم پر سلامتی ہو) کی بجائے اسامُ علیکم (تم پر موت آئے) کہتے، یہی عمل وہ حضور پاک کے ساتھ بھی دہراتے۔ایک دفعہ چند یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسام علیکم کہا، حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں تو انہوں نے فوراً جواب دیا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے (بلکہ تمہیں موت آئے اور تم پر لعنت ہو) لیکن آپ ﷺ فرمانے لگے ''عائشہ اللہ تعالیٰ نرمی کرتا ہے اور تمام معاملات میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔حضرت عائشہؓ نے عرض کیا آپ ﷺ نے سنا نہیں کہ انہوں نے کیا کہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے جواب میں انہیں وعلیکم (اور تم پر بھی) کہہ دیا تھا'' (صحیح بخاری ومسلم)۔آپ اپنے آقا کی رحمت، فہم وفراست اور معاملہ فہمی دیکھیں کہ بجائے یہودیوں کو بددعا دینے یا اُن سے بحث کرنے کے آپ ﷺ نے اُن کی بات اُنہی کی طرف لوٹا دی۔یہ تو وہ لوگ تھے جو اسلام کے اور جناب حضور پاک کے دشمن تھے اور جان بوجھ کر ایسی باتیں کرتے رہتے تھے، لیکن آج ہم انجانے پن میں اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے ایک دوسرے کو بددعائیں دیتے رہتے ہیں مثلاً بعض لوگ اسلامُ علیکُم کے تلفظ کو بگاڑ کر ساماعلیکم یا سلامَ لیکم یا سلامُ علیکم وغیرہ کہتے ہیں اور جواباً بھی کئی حضرات وعلیکمُ اسلام کی بجائے وعلیکم سلام یا ولیکم سلام وغیرہ کہتے ہیں، ایسا وہ جان بوجھ کر نہیں کرتے مگر علم اور تحقیق کی کمی کی وجہ سے وہ ایک خوبصورت دعا کو نہ جانے کن کن معنوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سلام کو اور اس کے جواب کو درست تلفظ اور پوری صحت کے ساتھ ادا کرنے اور انہیں آپس میں پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

حضور پاک کا ارشادِ پاک ہے کہ "ہر بچہ اصل فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور یہ اُس کے والدین ہی ہوتے ہیں جو اسے عیسائی، مجوسی یا یہودی بنا دیتے ہیں" (بخاری، کتاب الجناز) لہٰذا ثابت ہوا کہ ماں کی گود اور گھر بچے کی تعلیم و تربیت کا پہلا اور نہایت اہم ذریعہ ہیں اور چھوٹی عمر میں بچے کو جس سمت موڑا جائے وہ اسی سمت مُڑ جاتا ہے اور جو کچھ اسے فیڈ کیا جائے وہ اسی پر ہی عمل کرتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کے گھر میں اردو زبان بولی جاتی ہو تو بچہ یقیناً اردو ہی بُولے گا اور اس کا لہجہ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا کہ اُس کے اردگرد کے ماحول میں استعمال ہوتا ہوگا اور پھر بچے کی مزید تربیت آگے چل کر سکول میں ہوتی ہے۔

آج سے کچھ عرصہ قبل ہمارے گھروں کا ماحول کچھ یوں تھا کہ مائیں سونے سے قبل بچوں کو بسم اللہ شریف، کلمے، آیت الکرسی اور دیگر چھوٹی چھوٹی دعائیں پڑھواتیں اور یاد کرواتیں، پھر صبح نماز اور تلاوت کے لیے خود بھی اُٹھتیں اور بچوں کو بھی اُٹھاتیں اور پھر انہیں تلقین کرتیں کہ جب آنکھ کھلے تو بسم اللہ شریف اور کلمہ طیبہ پڑھا کرو اور جو بھی ملے اسے پہلے سلام کیا کرو اس طرح وہ بچوں کو اُن کے بچپن ہی سے ایک درست سمت رواں کرنے میں مصروف ہو جاتیں۔ آج بھی ہمارے چند ایک گھروں کا ماحول کچھ ایسا ہی ہے لیکن اس نام نہاد روشن خیالی کے دور میں ہمارے زیادہ تر گھروں کا ماحول بدل چکا ہے۔ آج والدین کے پاس عموماً اور ماؤں کے پاس خصوصاً وقت کی نام نہاد کمی ہے، وہ بچوں کی تربیت پر کم اور اپنے نادیدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے زیادہ وقت دیتی ہیں، رات کو وہ عموماً بچوں کو کمپیوٹر کے آگے سے اُٹھا کر کہتی ہیں کہ جلدی جلدی سو جاؤ کیونکہ صبح صبح ٹی۔وی پر کارٹونز آنے ہیں اور بچے کارٹون دیکھنے کے لیے صبح، صبح اُٹھ کر ٹی۔وی کے آگے براجمان ہو جاتے ہیں اور کیبل کی مہربانی سے جو ٹی۔وی کے حالات ہیں وہ آپ خود بہتر طور پر جانتے ہیں۔ میں کمپیوٹر، ٹیلی ویژن یا کارٹونز کے خلاف بات نہیں کر رہا ہوں لیکن چونکہ ہمارا دین ایک متوازن دین ہے اس لیے بچوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں ہر چیز کو اسلامی اقدار کے مطابق متوازن طریقے سے لے کر آگے بڑھنا چاہیے اور خواہ ہم جتنے بھی ماڈرن ہو جائیں یا ایڈوانس ماحول میں رہ رہے ہوں ہمیں چاہیے کہ کسی بھی صورت میں اسلامی اقدار سے نہ ہی آگے بڑھیں اور نہ ہی پیچھے رہیں کیونکہ ایسا کرنے میں ہی ہمارا فائدہ اور نجات ہے اس لیے ہمیں اپنے بچوں کی تربیت

Marfat.com

اُن کے بچپن ہی سے اسلامی تعلیمات کے مطابق کرنی چاہیے اور انہیں بچپن ہی سے نماز، قرآن، حدیث، دیگر اسلامی تعلیمات اور مکمل تاریخِ اسلام سے روشناس کروانا چاہیے کیونکہ بچے ہی ہمارا اپنا اور قوم کا مستقبل ہوتے ہیں اور یہی بات ہمارے اور اُن کے حق میں بہتر ہوتی ہے کیونکہ نیک اولاد والدین کے بڑھاپے کا سہارا اور صدقہ ءِ جاریہ ہوتی ہے۔

آج کل ایک اور بدعت ہمارے معاشرے میں شدت کے ساتھ سرایت کر چکی ہے اور وہ ہے ہیلو کہنے کی، بہت کم لوگ ایسے ہیں جو فون پر ہیلو کہنے کی بجائے اپنی بات سلام سے شروع کرتے ہیں ورنہ زیادہ تر لوگ تو ہیلو کہنے پر ہی اصرار و تکیہ کرتے ہیں۔ حالانکہ جیسے آج کمیونیکیشنز کا دور ہے اور فونز کا نیٹ ورک ہر طرف پھیل چکا ہے تو ہمیں چاہیے کہ اپنی بات کی ابتداء ہیلو کی بجائے سلام سے کریں اور نیکیاں کمائیں! اس سلسلہ میں میڈیا اہم کردار ادا کر سکتا ہے اور یہ میڈیا ہی ہے جو بچوں تو بچوں میچور افراد پر بھی اپنے اثرات چھوڑتا ہے۔ چنانچہ میڈیا والوں کو بھی چاہیے کہ اس سلسلہ میں گہری دلچسپی لیں اور سلام کے ساتھ ساتھ دیگر چھوٹے لیکن نہایت معتبر اور پُر اثر قرآنی و اسلامی کلمات مثلاً انشاء اللہ، ماشاء اللہ، سُبحان اللہ، الحمدُ للہ، اللہُ اکبر، توبہ استغفر اللہ، اللہ حافظ اور آمین وغیرہ کو معاشرے میں عام کرنے اور پھیلانے کے لیے موثر اقدامات کریں اور اس کے ساتھ ساتھ غیر ملکی میڈیا اور غیر اسلامی ماحول کے اثرات کو ہرگز قبول نہ کریں کیونکہ وہ تو پہلے ہی اسلامی اقدار کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کو اُن کے رستے سے بھٹکانے کی سر توڑ کوششوں میں مسلسل مصروف ہیں۔ اس لیے ہمارے میڈیا والوں کو چاہیے کہ ہر صورت میں اپنا قبلہ درست رکھیں اور دوسرے یہ کہ ہمیں چاہیے کہ ہم ان مذکورہ بالا متبرک کلمات کو اپنا شعار بنا لیں لیکن انہیں فقط زبان ہی سے ادا نہ کریں بلکہ ان کے معانی پر غور کریں، انہیں سمجھیں اور ان پر عمل کریں اور جب ان کی اہمیت اور ان کے معانی سمجھ میں آ جائیں تو پھر انہیں اپنے اوپر طاری کر لیں۔

ہمیں اپنے ہر کام کی ابتداء بسم اللہ شریف اور سلام سے کرنی چاہیے، کیونکہ یہ ذریعہءِ برکت ہیں اور اختتام اللہ حافظ اور الحمدُ اللہ پر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکیاں کرنے اور نیکیاں پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے اور بُرائی کے کاموں سے بچنے اور انہیں پھیلنے سے روکنے کی طاقت عطا فرمائے (آمین)۔

☆..........☆☆..........☆

Marfat.com

جہاد

جہاد کا لفظ جُہد سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں کمال درجہ کوشش کرنا اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس کے معنی ایسی بھرپور سعی وجہد کے ہیں جو سچائی کی راہ میں اور اسلام کی سربلندی کے لیے کی جائے۔ جہاد ایک وسیع المعنوی لفظ اور دینِ اسلام میں انتہائی اہم مقام ومرتبہ والا عمل ہے لیکن بعض عناصر جہاد کو محض قتال کا نام دیتے ہیں، حالانکہ اسلام ہر معاملے میں صبر، تحمل، برداشت، بردباری، سوچ بچار، مشورہ اور رواداری کا حکم دیتا ہے اور اسلام نے صرف مسلمانوں ہی کے خون کو محترم قرار نہیں دیا بلکہ اسلام میں غیر مسلموں کے خون کی بھی حرمت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہیں کہ ''جس نے کسی معاہد ذمی کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی'' (بخاری)۔ یعنی غیر مسلموں کے قتل کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے لیکن اسلام کسی بھی ایسے حملے کو برداشت کرنے کی تعلیم واجازت نہیں دیتا جو اسلام کو مٹانے یا اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام مسلط کرنے کے لیے کیا جائے، خواہ وہ حملہ عملی صورت میں ہے یا میڈیا کی صورت میں۔

دینِ اسلام میں جہاد کی انتہائی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسے راہِ حق میں ایک پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے لیکن جو لوگ جہاد کو محض قتال کا نام دیتے ہیں، وہ یا تو جہاد کی اصل روح کو پہچانتے ہی نہیں اور اگر پہچانتے ہیں تو محض اسلام دشمنی کی وجہ سے ایسا پراپوگینڈہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے ''خدا کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو'' (الصف 11)۔ یعنی اپنے رب کی راہ میں تمہیں اپنے مال تو مال اگر جانیں بھی دینی پڑ جائیں تو دریغ نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے لیے گھاٹے کا سودا نہیں ہوگا بلکہ اس کا اتنا اجر وثواب ہے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا اور راہِ حق میں لڑتے ہوئے جان دینے والوں کو شہید اور بچ جانے والوں کو غازی کہہ کر پکارا گیا ہے۔

شہید کی فضیلت کے متعلق ہمیں اس حدیث پاک سے مزید علم حاصل ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا''جنت میں جانے کے بعد کوئی بھی شخص دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرے گا، مگر شہید اس کی آرزو کرے گا کہ وہ دنیا میں دس مرتبہ جائے اور دس مرتبہ مارا جائے کیونکہ وہ شہادت کا اجر وثواب جانتا ہوگا'' (حدیث) اور پھر یہ کہ سب سے پہلے جنت میں جانے والوں میں شہید بھی ہوں گے اور شہید زندہ ہوتے ہیں اور اُن کا رزق اُن تک پہنچایا جاتا ہے، لیکن جہاد فقط دشمنِ اسلام سے جنگ کرنے ہی کا نام نہیں بلکہ جہاد کا اطلاق تو ہر لمحہ حضرت انسان کی زندگی کے ہر شعبہ پر ہوتا ہے جس کا ثبوت ہمیں کچھ یوں ملتا ہے کہ اگر انسان اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں اپنے ہر کام میں اپنی نفسانی خواہشات کو زیر کرنے اور ان پر قابو پانے کی کوشش جاری رکھے تو یہ اُس کا ہمیشہ جاری رہنے والا جہاد بالقلب ہوگا۔ اگر اسلام کے دشمنوں سے لڑتے ہوئے مسلمان جان کی بازی لگا دے تو یہ اُس کا جہاد بالنفس ہوگا۔ اگر اسلام کے دشمنوں سے لڑنے کی تدبیر کرے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے تو یہ اس کا جہاد بالمال ہوگا۔ اگر کوئی مسلمان، غیر مسلموں کو قرآنی دلائل کی روشنی وقوت سے اسلام کی طرف راغب کرے اور یہ ثابت کرے کہ فضیلت و برتری تو اسلام ہی کی ہے تو یہ اس کا جہاد بالقرآن ہوگا۔ اگر یہ کوشش بلیغ زبان سے کی جائے تو یہ اس کا جہاد باللسان ہوگا اور اگر قلم کی مدد سے کی جائے تو یہ اُس کا جہاد بالقلم ہوگا اور جہاد کی ان تمام اقسام کے بجالانے والوں کے لیے یا ان پر عمل کرنے کی کوششیں کرنے والوں کے لیے بے پناہ اجر وثواب، فضیلت اور درجے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کو معنوی لحاظ سے سمجھنے اور جہاد کی تمام اقسام پر عمل پیرا ہونے کی طاقت وتوفیق عطا فرمائے (آمین)۔

میں جب بعض لوگوں کو یوں گویا ہوتے ہوئے سنتا ہوں کہ اسلام تو تلوار سے پھیلا تھا اور یہ کہ اسلام ایک جبر وسختی کا دین ہے تو مجھے اُن لوگوں کی سوچ، اُن کی سمجھ، اُن کی عقل اور اُن کے منافقت بھرے رویے سے انتہائی دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے حالانکہ وہ سب کچھ سمجھتے بھی ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟ لیکن مقامِ افسوس یہ ہے کہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود بھی جب وہ منافقت اختیار کرتے ہیں تو پہلے تو اُن پر غصہ آتا ہے لیکن پھر ترس، کیونکہ وہ اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ

جب اسلام کے ابتدائی تین سالوں میں آپ ﷺ کے قریبی ساتھی اور چند ایک رشتہ دار مشرف بہ اسلام ہو گئے تو آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ ''جو آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے وہ برملا بیان کر دیجیے اور مشرکوں سے کنارہ کش رہیے'' (الحجر 94)۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر قریش کو دعوتِ اسلام دی اور فرمایا کہ ''اگر تم دونوں جہانوں کی کامیابی چاہتے ہو تو (لا الہ الا اللہ) پڑھو'' یعنی آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام کی ابتداء ہی توحید سے شروع فرمائی اور ابتدائی دور میں آپ ﷺ لوگوں کو توحیدِ باری تعالیٰ پر ایمان، نبوت و رسالت پر ایمان، آخرت پر ایمان، عبادات، نیکوکاری اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم و تربیت دیتے اور تیئس سالوں کی مدت میں نزولِ قرآن کی صورت میں جوں جوں احکامات نازل ہوتے رہے آپ ﷺ انہیں لوگوں تک پہنچاتے رہے (تو ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا ایک نام انسان اور انسانیت کی تعمیر، سلامتی، بھلائی اور بہتری بھی ہے اور یہ تمام نیک اور اچھے اعمال دراصل انسان کے اپنے ہی فائدہ کے لیے تھے اور ہیں) لیکن میں اُن لوگوں کے اس تمام پراپوگینڈہ کہ (اسلام تلوار سے پھیلا تھا اور یہ کہ اسلام سختی کا دین ہے) کے جواب میں اُن سے ایک ہی سوال پوچھوں گا کہ جب اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تو آپ ﷺ نے حکمِ الٰہی سے ایک دن حرم پاک میں جا کر توحید کا اعلان فرمایا۔ اس وقت تمام مسلمان نہتے تھے کسی کے پاس کچھ بھی نہیں تھا لیکن زبانوں پر کلمہ طیبہ کا ورد ضرور تھا تو اس وقت تمہارے اباؤ اجداد کے پاس یہ نہایت قیمتی موقع تھا کہ تلوار نکالتے اور (نعوذ باللہ) ان چالیس مبارک لوگوں کو ختم کر دیتے تو پھر اُس دن کے بعد اسلام کا کوئی نام لیوا ہی نہ رہ جاتا۔ اس بات کی تمہارے اباؤ اجداد نے کوشش بھی کی اور یہ اُن کی کوشش ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت حارثؓ کو شہید کر دیا گیا اور یہ اسلام کی راہ میں پہلا خون تھا جو خانہ کعبہ کے صحن میں بہایا گیا۔ تمہارے اباؤ اجداد نے اُن مبارک نہتے لوگوں پر ہر طرح کی سختیاں کیں، لیکن ربِ کعبہ کو کچھ اور ہی منظور تھا اس لیے وہ (تمہارے اباؤ اجداد) اُن کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اسلام چونکہ دینِ حق ہے اس لیے اس کا لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا فطری عمل تھا چنانچہ اسلام کی مقبولیت میں حیرت انگیز اضافہ ہونا شروع ہو گیا اور اُدھر اسلام کے دشمنوں کی اسلام دشمنی اور مخالفت میں بھی بے پناہ اضافہ ہونا شروع ہوا اور یہ اسلام دشمنی ہی کا

Marfat.com

نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ پر (نعوذ باللہ) قاتلانہ حملے کیے گے، آپ ﷺ پر کوڑا پھینکا گیا اور آپ ﷺ کا لہو مبارک بہایا گیا۔ الغرض ہر طرح سے آپ ﷺ کو تبلیغ اسلام سے روکنے کی کوششیں کی گئیں اور اسی سلسلہ میں صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی بھی تعذیب کی گئی، انہیں سنگریزوں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھے گے، لوہے کو آگ سے گرم کر کے انہیں داغا گیا، پانی میں ڈبکیاں دی گئیں، دہکتے کوئلوں پر لٹایا گیا اور بعض کو تو شہید کر دیا گیا! میں تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ جب ہجرتِ حبشہ (5 نبوی) کو ہوئی تو اس وقت بھی تمہارے اباؤ اجداد نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں، لیکن رحمتِ الٰہی سے تم میں سے ہی ایک حکمران نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ پھر تم نے (7 نبوی) کو بنو ہاشم (بنو عبدالمطلب) کا مقاطعہ کیا اور یہ خاندان تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے اور اُن کی گزر بسر جڑی بوٹیاں، گھاس کی جڑیں اور سوکھے بدمزہ چمڑے اُبال کر کھانے سے ہوتی یا کبھی کبھار حضرت خدیجہؓ کا کوئی عزیز چوری چھپے کھانے کی چیزیں بھیج دیتا یا پھر حج کے دنوں میں اجنبی تاجروں سے کچھ نہ کچھ خریدا جا سکتا تھا لیکن یہ اندوختہ بھی جلد ہی ختم ہو جاتا۔ یہ مقاطعہ تین سال تک جاری رہا اور (10 نبوی) میں ختم ہوا اور آپ ﷺ اپنے قبیلہ سمیت شعب ابی طالب سے باہر آئے، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یوں اسلام تلوار سے پھیل رہا تھا؟

پھر ہجرتِ مدینہ ہوئی اس وقت بھی تم لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو (نعوذ باللہ) نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش و تدبیر کی لیکن ربِ کعبہ کو کچھ اور ہی منظور تھا چنانچہ آپ ﷺ بحفاظت اپنے ساتھیوں سمیت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گے، میں پھر تم سے پوچھتا ہوں کہ ان تمام واقعات کو جاننے کے باوجود تم کس منہ سے یہ کہتے ہو کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہوا مذہب ہے! لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ تم نے ہر دور میں یقیناً اسلام کو تلوار سے روکنے کی کوشش ضرور کی ہے جس کا ثبوت اعلانِ نبوت سے لے کر غزوۂ بدر تک اور غزوۂ بدر سے لے کر آج کے دن تک ملتا ہے۔

غزوۂ بدر (2 ہجری) کو تم طاقت کے نشہ میں چور (1000) کے لشکرِ جرار کے ساتھ جو کیل کانٹے سے لیس تھا لے کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑے اور تمہاری اس جارحیت کو روکنے کے لیے تین سو تیرہ آدمی تھے جو ظاہراً جنگی ساز و سامان سے محروم تھے، لیکن اُن

کے پاس ایمان ویقین کی وہ طاقت اورتوکل کی وہ قوت تھی جو تمہارے پاس موجود نہ تھی چنانچہ بے پناہ نفری اور جنگی ساز وسامان ہونے کے باوجود بھی تمہیں اسلام کے خلاف اس پہلی بڑی جارحیت میں ذلت آمیز شکست ہوئی۔ پھر تم نے (نعوذ باللہ) اسلام کو ختم کرنے کے لیے کئی مرتبہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کی لیکن ہر دفعہ سوائے ذلت کے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوا حتیٰ کہ فتح خیبر سے لے کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فتح مکہ نصیب ہوئی (جس میں اسلام کے دشمنوں کے خلاف عام معافی کا اعلان ہوا، اس جیسی کوئی دوسری مثال تاریخ انسانی دینے سے قاصر ہے) پھر غزوہ حنین وطائف اور غزوہ تبوک میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ پھر آپ ﷺ نے جمعۃ الوداع کو وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو تمام آنے والی نسلِ انسانی کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً مشعلِ راہ ہے۔

پھر وہ وقت آیا جب حضور پاک ﷺ کا وصال ہوا اور میں قربان جاؤں اپنے آقا جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ وصال سے تھوڑی دیر پہلے جان کنی کے عالم میں بھی ''آپ ﷺ نے نماز کو قائم کرنے اور غلام کا احترام کرنے کے احکامات فرمائے'' (ابو داؤد)۔ پھر آپ ﷺ نے ہاتھ اُٹھا کر انگلی سے اشارہ فرمایا اور تین دفعہ دہرایا ''اب اور کوئی نہیں بلکہ وہ (اللہ) بڑا رفیق درکار ہے'' یہی کہتے کہتے آنکھیں ساکن ہو گئیں اور روحِ پاک عالمِ قدس میں پہنچ گئی۔ تو یوں ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی پیدائشِ مبارک سے لے کر وصال تک ہمیشہ (تمام جان دار اور بے جان اشیاء کا احترام کرنے، اِن کا خیال رکھنے اور انسان اور انسانیت کی تعمیر، بھلائی، بہتری، سلامتی اور اچھائی پر زور دیا اور جو بھی فرمایا اُس پر پہلے خود عمل فرمایا اور پھر کسی دوسرے کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ وصالِ نبوی ﷺ کے بعد بھی تمہاری یہ جارحیت جاری رہی اور تمہاری اس جارحیت کو روکنے کے لیے اور تمام دنیا میں اسلام کے آفاقی پیغام کو پہنچانے کے لیے چاروں خلفائے راشدین سے لے کر حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طارق بن زیادؒ، حضرت موسیٰ بن نفیر، حضرت بدر بن مغیرہ، حضرت محمد بن قاسم، سلطان محمود غزنوی، محمد غوری، سلطان قطب الدین ایبک، فیروز شاہ تغلق، شیر شاہ سوری، تیمور لنگ، نورالدین زنگی، سلطان صلاح الدین ایوبی، ٹیپو سلطان، علامہ اقبال اور قائد اعظم تک نے اور

Marfat.com

دوسرے تمام مجاہدین اور اسلام کے شیروں نے تمہیں قدم قدم پر عبرت ناک شکست سے دوچار کیا اور انہی مجاہدین کے متعلق جناب علامہ محترم نے بھی فرمایا تھا کہ:

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم اِن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

اور میں تم سے یہ بھی ضرور کہوں گا کہ تم نے ہر دور میں اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لیے ہمیشہ تلوار سے کوشش کی ہی اور ہر دفعہ منہ کی کھائی ہے، میں تم سے یہ بھی ضرور کہوں گا کہ بے وقوفو تمہیں اس بات کا علم بھی ہے اور تم جانتے بھی ہو کہ جب کسی کی عزت، جان یا مال پر حملہ کیا جائے تو انسان تو انسان جانور بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور مسلمان تو پھر بھی ایک نصب العین کے لئے لڑتے ہیں اور تمہارا المیہ ہی یہی ہے کہ تم اسلام اور مسلمانوں سے ڈرتے ہو اور اپنا یہ ڈر نکالنے کے لیے ہی ایسی باتیں کرتے ہو اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتے کیونکہ وہ راہِ حق میں لڑتے ہیں اور جان دیتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ظاہرا! تمہارے پاس بہت کچھ ہے لیکن حقیقتاً تم تہی دست ہو اور اندر سے مضطرب ہو اور تلملا رہے ہو کیونکہ اسلام کا آفاقی پیغام پوری دنیا میں پہنچ رہا ہے اور حضور پاک ﷺ کا فرمان پورا ہو رہا ہے کہ ''اسلام وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چوپائے اور گھوڑے جا سکتے ہیں''
(مکتوب بنام ہوزہ، حاکم یمامہ)

آج لوگ اسلام کی ابدی چھاؤں، امن و محبت اور سلامتی کی آغوش میں پناہ لے رہے ہیں ایسا وہ کیوں کر رہے ہیں؟ ایسا وہ اس لیے کر رہے ہیں کہ اسلام ہی سے نجات و سکون ہے اور زندگی کے تمام مسائل کا حل بھی اور ایک کامیاب زندگی گزارنے کی ضمانت بھی اور اس کامیاب زندگی کی بنیاد پر آخرت میں کامیابی و اجرِ عظیم اسلام ہی کے مرہونِ منت ہے۔ اسلام ہی وہ متوازن دین ہے

Marfat.com

جس میں عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کی بناء پر اور سب سے زیادہ معزز و محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار و متقی ہے۔ پھر نوعِ انسانی کو مزید بتایا جاتا ہے کہ اس کائنات میں تمہارا وجود نہایت محترم اور باعزت ہے۔ ارشادِ پاک ہے "ہم نے نبی آدم کو فضیلت بخشی اور اِن کو خشکی اور سمندر میں سواری بخشی اور انہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی" (بنی اسرائیل 70)۔ (اسی سلسلہ میں انسان کو اشرف المخلوقات اور نائبِ خدا کے خطبات سے بھی نوازہ گیا) ارشادِ نبوی بھی ہے کہ "مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے"۔ پھر اسلام ہی نے عورتوں کے حقوق متعین فرما کے عورتوں کو معاشرہ میں ایک اعلیٰ مقام عطا فرمایا ورنہ اسلام سے پہلے عورتوں کی جو حالت تھی اس کے متعلق تمام دنیا جانتی ہے۔ اسلام نے معاشی نظام کو نئے خطوط پر استوار فرمایا فرمانِ الٰہی ہے "نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے چمٹا لے اور نہ ہی اسے حد سے زیادہ کھول دے، ورنہ تو ملامت زدہ کیا درماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا" (بنی اسرائیل 29)

اسلام نے تمام وارثوں کے حصے مقرر فرمائے، جو اس قدر منصفانہ ہیں کہ ان سے بہتر تجویز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ابو سعید حذریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس شخص کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو، جس کے پاس زائد مال واسباب ہو اسے دے دے جس کے پاس مال نہ ہو جو چیز بھی جس کے پاس زائد ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس وہ چیز نہ ہو" اس طرح ہم اپنے مال میں ضرورت مندوں کا حصہ رکھ کر اپنے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل کر سکتے ہیں اور اس کے بندوں کی بے شمار دعائیں بھی۔ پھر اسلام ہی وہ متوازن دین ہے جس میں مسلمان بچوں تو بچوں غیر مسلم بچوں سے بھی پیار و محبت کرنے اور اُن کا خیال رکھنے کے احکامات اور عملی مثالیں ملتی ہیں۔ غلاموں اور باندیوں کے حقوق کا خیال رکھنا اور اُن کا احترام کرنا دینِ اسلام ہی کا خاصا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ "یہ تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ" (بخاری و مسلم)۔ پھر آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ

Marfat.com

"ان کو میرا غلام یا میری باندی کہنے کی بجائے میرا لڑکا یا میری لڑکی کہہ کر پکارو" (امام مسلم) اور یہ دینِ اسلام ہی کا خاصا ہے کہ جب جیشِ اسامہؓ کو روانہ کیا گیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے بزرگ صحابیوں کی موجودگی کے باوجود پچیس برس کی عمر کے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سپہ سالاری عطا کی گئی جو کہ ایک غلام کے بیٹے تھے۔

یہ دینِ اسلام ہی ہے جس میں مفتوح اقوام کے ساتھ کسی بھی قسم کے بُرے سلوک کی مثال نہیں ملتی بلکہ تاریخ انسانی میں ان کیلئے عام معافی ہی کی مثالیں ملتی ہیں اور دشمن کے معاملے میں عدل کی تلقین دینِ اسلام ہی میں ملتی ہے، ارشادِ ربانی ہے "کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل کا دامن چھوڑنے پر آمادہ نہ کرے، عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب ہے" (المائدہ 8)۔ اسلام ہی میں حیوانات اور ہر جاندار اور بے جان شے کا خیال رکھنے اور ان کا احترام کرنے کے احکامات اور عملی مثالیں ملتی ہیں، ایک دفعہ ایک لاغر اونٹ کی حالتِ زار دیکھ کر آپ ﷺ نے اُس کے مالک کو تنبیہہ فرمائی کہ "ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، درست حالت میں ہی ہوں تو ان پر سواری کرو اور درست حالت میں ہی ہوں تو ان کو چھوڑو" پھر دینِ اسلام ہی میں اولاد، والدین، شوہر، بیوی، بہن، بھائی، دوستوں اور دیگر رشتہ داروں کے خانگی، سماجی اور معاشی و معاشرتی حقوق و فرائض متعین فرمائے گئے اور قطع رحمی کی ممانعت اور صلہ رحمی پر زور دیا گیا، حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو تم سے تعلق توڑے اُس سے تعلق جوڑو اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کرو اور جو تم سے برائی کرے اُس سے بھلائی کرو" پھر آپ ﷺ نے مزید فرمایا "صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو صلہ رحمی کے جواب میں صلہ رحمی کرنے بلکہ وہ ہے جو قطع رحمی کے مقابلے میں صلہ رحمی کرے" (صحیح بخاری)۔ اسلام ہی میں ہمسائیوں کے، یتیموں و مسکینوں کے، مہمانوں کے، بیواؤں کے، رشتہ داروں کے اور بیماروں کے حقوق و فرائض متعین فرمائے گے۔

تاجروں کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ "سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صادقین اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا" (ترمذی)۔ آپ ﷺ نے خود بھی قانون کی پابندی فرمائی اور تمام انسانیت کو بھی اس بات کا درس فرمایا۔ قتلِ اولاد کی ممانعت دینِ اسلام ہی کا خاصا ہے۔

Marfat.com

ارشادِ نبوی ﷺ ہے ''اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل نہ کرو کہ تمہیں انہیں کھلانا پڑے گا'' (بخاری)
پھر یہ دینِ اسلام ہی ہے جس میں کسی مسلمان تو مسلمان غیر مسلم کے قتل کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے خون کی حرمت کو بھی تسلیم کیا گیا ہے اور خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ پھر تحفظِ ملکیت میں ہر شہری کے حقوق متعین کیئے گے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''اور تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ'' (النساء)۔ دینِ اسلام ہی میں تحفظ آبرو کے متعلق احکامات ملتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا جائے اور ایک دوسرے کو برے ناموں اور القابات سے یاد نہ کیا جائے'' (الحجرات 11)۔ پھر آپ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا'' (صحیح بخاری و مسلم)۔ پھر ظلم کے خلاف احتجاج کا حق، اظہارِ رائے کی آزادی، شخصی آزادی کا تحفظ، نجی زندگی کا تحفظ، حقِ مساوات کہ (تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) عقیدے کی آزادی، ریاست کی ذمہ داری، حقِ اُجرت و معاوضہ کہ (مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو) (ابن ماجہ)۔ ہر کام میں عزم و استقلال کی تلقین، سخاوت و فیاضی، مروت و حیاء، میانہ روی، تواضع و سادگی (تواضع بڑی چیز ہے دو جہانوں کے سردار کی تواضع کا عالم دیکھیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا'' میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے''۔ اسی طرح زہد و قناعت، مشورہ باہمی، اپنا کام خود سرانجام دینا، ایفائے عہد، خوش کلامی، خوش اخلاقی، غصہ سے بچنا، حلم و بردباری، امن و سلامتی، جھوٹ و منافقت سے نفرت، علم کی عظمت، حلال و حرام میں تمیز، الفت، مثبت رویہ، صدق، امانت و دیانت، مساوات، رزقِ حلال پر اصرار، پاکی و ناپاکی میں تمیز، صفائی کا نصف ایمان ہونا، محنت کی عظمت، حرمتِ سود، زکوٰۃ، امانت، قرض، صدقات، ہدیہ، عاریت، غیر مسلموں کے حقوق اور بہت کچھ اور یہ سب کچھ دینِ اسلام ہی کی تعلیمات ہیں اور یہ دینِ اسلام ہی کی برکتیں ہیں کہ جو دنیا کے تمام لوگوں کو بہترین و کامیاب زندگی گزارنے کا طریقہ بتلاتا ہے اور پھر زندگی کے تمام مسائل کا حل بھی دینِ اسلام ہی کے مرہونِ منت ہے۔ اسلام کی رحمت، برکت، سکون اور نجات کی یہ دعوت سب کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر ایک کے لیے ہے اور جو کوئی ہدایت کا طالب

Marfat.com

ہوتا ہے تو اُسے ہدایت بخشی جاتی ہے اور جو کوئی بھی اپنی زندگی اسلام کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے گزارتا ہے تو اُس کی دینی، دنیاوی اور آخروی زندگی محترم، معتبر، متبرک اور انعام بنا دی جاتی ہے۔ چنانچہ انسانیت کے تمام مسائل کا حل، سکون، نجات اور کامیابی فقط دینِ اسلام ہی سے ہے اور انہی رحمتوں و برکتوں کی وجہ سے اسلام پھیلا تھا، پھیل رہا ہے اور پھیلتا رہے گا کیونکہ یہ دین حق ہے اور تم شروع سے لے کر اب تک کوششیں کرتے رہے ہو اور کر رہے ہو لیکن حقیقتاً اور یقیناً تم اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہو اور یقیناً تمہارے لیے ہر لحہ کھلی دعوت ہے کہ حق کی طرف آؤ کیونکہ یہاں ہی ابدی سکون ہے اور تمام مسائل کا حل بھی اور ایک بات میں تم سے ضرور کہوں گا کہ یاد رکھنا، اپنی حفاظت میں تلوار اٹھانے کا حق تو ہر انسان کو حاصل ہے۔

یہاں یہ بات میں ضرور تسلیم کروں گا اور تاریخ انسانی بھی اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمان کو کوئی شکست نہیں لیکن مسلمان کو شکست ہمیشہ مسلمان ہی کے ذریعے ہوئی ہے کیونکہ (اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پہ بجلیاں) اور مسلمان ہمیشہ قلیل تعداد میں ہو کر، کثیر تعداد پر غالب آئے ہیں! ایسا فقط دینِ اسلام ہی کی برکتوں کی وجہ سے ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج ہماری (مسلمانوں) کی جو حالت ہے وہ فقط اسلام سے دوری ہی کی وجہ سے ہے (جو زمانے بھر کو جگاتے تھے آج وہ خود سو رہے ہیں) اقبال نے بھی کیا خوب فرمایا تھا کہ:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
ہم خوار ہوے تارکِ قرآں ہو کر

یہ بات ہمارے لیے لحہءِ فکر یہ ہے کیونکہ ہماری منزل یہ تو نہیں ہم تو بدی سے خود رکنے اور دوسروں کو روکنے والے ہیں اور پہلے خود عملی انسان بن کر نیکی کرنے والے اور دوسروں کو نیکی کرنے کی تلقین کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے کہ "جو شخص کوئی برا کام ہوتا دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو

اسے دل ہی سے برا تصور کرے مگر یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہوگی'' (امام مسلم)۔

جب آپ کسی دوسرے بندے کو تبلیغِ دین کرتے ہیں تو دین کے متعلق آپ کی تمام باتیں تو وہ تسلیم کرے گا کیونکہ یہ دین حق ہے لیکن وہ یہ ضرور دیکھے گا کہ مجھے نصیحت کرنے والا خود کہاں کھڑا ہے؟ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ مجھے تو یہ شخص تبلیغ کر رہا ہے، کیا خود بھی اپنی کہی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہوتا ہے کہ نہیں؟ کیونکہ تقریر کرنا تو آسان ہے لیکن عمل کرنا تھوڑا سا مشکل ہے لیکن جو صدقِ دل سے پوری نیت کے ساتھ باقی خرابیوں کو دبا کر عمل کرتے ہیں تو اُن کے لیے یہاں رستے آسان اور منزلیں واضح ہو جاتی ہیں اور جب ہم اپنے باہمی لڑائی جھگڑوں کو ختم کر کے باعمل مسلمان بنیں گے تو تب ہی کہیں جا کر ہماری تبلیغ میں اثر بھی ہوگا اور اس کا فائدہ بھی، کیونکہ اُس شخص کے بدلے میں وہ شخص زیادہ سزا کا مستحق ہوگا جو دوسروں کو تو تبلیغ دین کرتا ہو لیکن سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود خود اپنی کہی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتا ہو۔ یہاں میں یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ ہاں اسلام سختی کا دین ہے لیکن وہ سختی جو انسان اپنے نفس کو زیر کرنے اور اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کے لیے خود سے کرے اور جو کوئی بھی یہ سختی کر جاتا ہے تو اُس کی دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی۔

میں نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جونسی آیاتِ قرآنی یا احادیثِ مبارکہ اُن کی اپنی مرضی، مزاج، عمل یا خواہش کے مطابق ہوں، وہ تو دوسرے لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں لیکن جب کبھی یہی آیات و احادیث اُن کی اپنی مرضی، مزاج، عمل یا خواہشات سے نہیں ملتی ہوں تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں، ایسا کرنا بھی منافقت ہے اور اس بات کی بھی سخت سزا ہے کیونکہ ہمیں اپنی خواہشات کے مطابق نہیں بلکہ اسلامی احکامات و تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے کیونکہ اسی بات میں ہی ہمارا فائدہ ہے۔ قرآن پاک میں ارشادِ الٰہی ہے '' کیا تم اللہ کی کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کو رد کر دیتے ہو، تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا اس کا بدلہ بس یہی ہے کہ دنیا کی زندگی میں زلت و رسوائی اور قیامت کے روز ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو'' (البقرہ 85)

☆..........☆☆..........☆

Marfat.com

نماز

نماز اسلام کا اولین ستون بھی ہے اور سب سے اہم عبادت بھی، نماز کی اتنی زیادہ فضیلت ہے کہ قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت زکریاؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے نماز ادا کرنے اور اُن کے نمازی ہونے کا ذکر آیا ہے۔ قرآنِ پاک میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ ''پہلی امتوں میں برے آدمیوں کی ایک خرابی نماز ترک کرنا اور نماز ادا کرنے سے غفلت اختیار کرنا بھی تھی''۔ حضور پاک ﷺ پر غارِ حرا میں جب پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریقہ جسے نماز کہتے ہیں سکھایا۔ شروع شروع میں صبح و شام کی صرف دو نمازیں اور وہ بھی فقط دو، دو رکعت فرض تھیں اور آپ ﷺ کی مکی زندگی کے تیرہ برسوں میں مسلمانوں پر فقط یہی ایک عبادت نماز فرض تھی۔ مکی زندگی کے آخری برسوں میں واقعہ معراج النبی ﷺ کے ساتھ نماز کے اوقات دو کی بجائے پانچ کر دیئے گئے، فجر کی نماز کے سوا باقی تمام نمازوں کی رکعتوں کی تعداد دو سے بڑھا کر چار کر دی گئیں البتہ مغرب کی تین رکعتیں مقرر کی گئیں۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور باقاعدہ نماز کا اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ نے سفر یا حضر، بیماری یا تنگدستی، امن یا جنگ نیز کسی بھی حالت میں اپنے آخری وقت تک نماز با جماعت کو نہیں چھوڑا اور نماز ہی وہ عبادت ہے جو مسلمانوں کو ہوش و حواس کے ہوتے ہوئے کسی بھی صورت میں معاف نہیں، صرف خاص مجبوریوں مثلاً طہارت، قصر اور خوف وغیرہ میں نماز کے ادا کرنے میں نرمی و رعایت دی گئی ہے مگر اصل نماز کو کسی بھی حالت میں ترک نہیں کیا

Marfat.com

گیا، اگر کسی انتہائی مجبوری کے عالم میں نماز چھوٹ جائے تو اس کیلئے دوسرے وقت میں قضاء نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز کو مومن کی معراج اور دین کا ستون قرار دیا گیا ہے لہٰذا نماز ہی وہ عبادت ہے جس میں ہم اس مقام پر ہوتے ہیں کہ جیسے ہم اللہ تعالیٰ کو اور اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہو، پھر حالتِ نماز میں بھی اور نماز کے بعد بھی ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور صراط مستقیم مانگتے ہیں، اُس کی بڑائی اور اُس کی وحدانیت کا دل سے اقرار کرتے ہیں، جناب حضور پاک ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں، اپنے گناہوں کی معافی اور اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں، اپنی حاجتیں اور تمنائیں مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ پھر نماز ہی وہ عبادت ہے جو ایک مسلمان اور غیر مسلم میں امتیاز کا بڑا ذریعہ ہے۔ نماز چونکہ مساجد میں جا کر ادا کی جاتی ہے تو اس کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے گھروں کو آباد کرنا اُن ہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی اور اللہ تعالیٰ پر ایسے توکل کیا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرے'' (سورۃ توبہ) اور ارشاد نبوی بھی ہے کہ'' جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا گھر مسجد بنائے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کا گھر جنت میں بنائے گا'' (ابنِ حبان) اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ نماز ہی وہ عبادت ہے جو انسان کو بدی اور فحش کاموں سے روکتی ہے، لیکن انسان کو بھی اپنی نمازوں کی حفاظت کرنی چاہیئے یعنی جب فجر کی نماز ادا کر لیں تو ارادہ باندھ لیں کہ ظہر تک میں نے کوئی بھی برا کام نہیں کرنا، جب ظہر پڑھ لیں تو عصر تک ارادہ باندھ لیں کہ میں نے کوئی بھی برا کام نہیں کرنا۔ اس طرح اگلی فجر کی نماز ادا کرنے تک اپنی نمازوں کے درمیانی اوقات میں اپنے آپ کو برے کاموں سے روکنا اپنی نمازوں کی حفاظت کرنا ہی ہے (اور جو لوگ پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت بھی کرتے ہیں تو اُن لوگوں کی حفاظت کا خاص بندوبست کر دیا جاتا ہے اور وہ خاص قسم کی رحمت اور برکت کے حصار میں رہتے ہیں) چنانچہ پورے خشوع و خضوع کی نماز اور انسان کا بدی کے کاموں سے بچنے کا پختہ ارادہ و نیت ہی اسے اپنے نفس کو زیر کرنے کی طاقت میسر کرتا ہے اور نمازی آدمی کے چہرے پر ایک الگ ہی نور ہوتا ہے اور اُس کی شخصیت کا ایک الگ ہی رعب، پہچان اور رنگ ہوتا ہے کیونکہ جو اُس کے آگے سچے دل سے جھکتے ہیں تو پھر

Marfat.com

وہ انہیں کبھی کسی کے بھی آگے جھکنے نہیں دیتا اور یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ رحمتِ الٰہی تو ہر ایک کے لیے ہے لیکن جو لوگ قطعی اُس کے کاموں میں لگ جاتے ہیں (یہ کام حقیقتاً انسان کے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہوتے ہیں) تو وہ اوروں سے زیادہ اُن کے کاموں میں لگ جاتا ہے)۔

نماز! اتحاد بین المسلمین کا ایک ذریعہ بھی ہے اور یہی وہ عبادت ہے جس کے ذریعے ہر قوم، ہر ملک، ہر رنگ اور ہر نسل کے بندے ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتے ہیں اور یہی وہ عبادت ہے جس میں ایک بادشاہ بھی ایک عام آدمی کے پیچھے نماز ادا کرتا ہے اور امام کی اقتداء اور احترام اس پر فرض ہوتا ہے اور یہ نماز ہی ہے جس میں بادشاہ اور فقیر ایک ہی صف میں کندھے سے کندھا ملا کر اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری دیتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

پھر جب لوگ نماز کے لیے مساجد میں اکٹھے ہوتے ہیں تو انہیں ایک دوسرے کی خیر و عافیت جاننے کا موقع بھی ملتا ہے اور یہی اکٹھ آپس میں پیار، محبت، یگانگت، دوستی، صلح، تعاون اور مختلف مسائل کو حل کرنے کا ایک ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ میڈیکل کے اعتبار سے بھی نماز کی بڑی اہمیت ہے کہ جو بندہ دن میں پانچ مرتبہ وضو و استنجاء کرتا ہے، ایک تو اُس کے بدن کی صفائی ہو جاتی ہے اور وہ دن بھر تر و تازہ، ہشاش بشاش اور پاک و صاف رہتا ہے پھر دوسرے یہ کہ دورانِ نماز انسان کی بڑی اہم پریکٹس بھی ہوتی ہے اور اس کا دورانِ خون بھی صحیح رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ مختلف بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جب انسان گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اسے ہر قدم پر نیکیاں ملتی ہیں اور نماز سے انسان میں ڈسپلن بھی پیدا ہوتا ہے اور اسے وقت کی اہمیت کا احساس بھی ہوتا ہے۔

اگر کوئی انسان نماز ادا نہیں کرتا لیکن نیکی و بھلائی کے دیگر کام و عبادات سرانجام دیتا ہے تو وہ سمجھ لے کہ اُس نے اپنی عبادات کا (50%) حق تو ادا کر دیا لیکن (50%) حق ادا نہیں کیا کیونکہ نماز بندے کو بندگی بھی سکھاتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے قریب لے جانے کا ایک موثر ذریعہ بھی ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ ''بچے کو اُس کے بچپن ہی سے نماز ادا کرنے کی تلقین شروع کر دینی چاہیے اور اگر بچہ نماز ادا نہ کرے تو ادائیگیِ نماز کے لیے اُس پر سختی بھی کرنی پڑے تو اس کی بھی اجازت ہے''۔ نماز مرتے دم تک کسی بھی صورت میں معاف نہیں اور اگر کسی کو کوئی بیماری یا کمزوری ہو تو وہ بیٹھ کر، لیٹ کر یا اشاروں سے بھی نماز ادا کر سکتا ہے لیکن اس کو چھوڑنے کی کوئی بھی صورت نہیں کیونکہ یہ نیکیوں و بھلائیوں کا منبع و سرچشمہ بھی ہے اور دینِ اسلام کا سہرا بھی، لیکن افسوس کہ آج ہمارے پاس وقت کی نام نہاد کمی ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے لیے کوئی زیادہ وقت تو صرف نہیں ہوتا ہے (اور ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ وقت تو ہمیشہ کے لیے ہمارے پاس رہنے والا نہیں ہے کیونکہ اس کی مہلت تو کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے) مگر یہ بات سمجھ آتی ہے اُن کو جو غور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کی طاقت و توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

☆..............☆☆..............☆

Marfat.com

خشوع وخضوع نماز

نماز کو چونکہ دین کا ستون اور مومن کی معراج قرار دیا گیا ہے اس لیے نماز کو پورے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اور نماز کو اپنی پختہ عادت بناتے ہوئے اپنے اوپر طاری کر لینا چاہیے کیونکہ یہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا تحفہ وانعام بھی ہے اور ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی، جسے ٹھیک ٹھیک طریقے سے ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا اور نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو خوفِ خدا کے سبب اس قدر روتے کہ گریہ وزاری سے کافی فاصلے تک اُن کے سینے میں ہونے والی کڑکڑاہٹ کی آواز سنائی دیتی، اسی طرح حضرت عمرِ فاروقؓ کے متعلق سیدنا عمرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المومنینؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو سنا کہ تین صفوں تک اُن کے رونے کی آواز آ رہی تھی، حضرت علیؓ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو چہرے کا رنگ بدل جاتا، بدن پر کپکپی آجاتی، کسی نے پوچھا تو ارشاد فرمایا ''اس امانت کے ادا کرنے کا وقت ہے جس کو آسمان اور زمین نہ اٹھا سکے، پہاڑ اس کو اٹھانے سے عاجز رہے، میں نہیں سمجھتا کہ اس کو پورا کر سکوں گا'' تو جناب اگر اللہ تعالیٰ کے اتنے مقرب بندوں کا ادائیگی نماز یا حالت نماز میں یہ حال ہو جاتا تھا تو آپ خود غور کریں کہ نماز کتنی بڑی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے سلسلہ میں ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہماری حالت یہ ہے کہ اول تو ہم نماز ادا ہی نہیں کرتے اور اگر ادا کرتے ہیں تو ایسے جیسے یہ عجلت کا کوئی کام ہو! جس کا ثبوت ہمیں اس واقعہ سے ملتا ہے کہ ''ایک دفعہ مجنوں ایک نمازی کے آگے سے گزر گیا، نمازی نے سلام پھیرا اور مجنوں سے کہا کہ تم نے دیکھا نہیں کہ میں نماز ادا کر رہا تھا اور تم

Marfat.com

میرے آگے سے گزر گے مجنوں نے جواباً اُس سے معافی مانگی اور کہا کہ میں نے تمہیں دیکھا نہیں تھا۔ نمازی نے کہا کہ کیوں نہیں دیکھا تھا؟ تو مجنوں نے کہا! اے نمازی میں تو دنیا کی ایک عورت (لیلیٰ) کے عشق میں اتنا محو ہو کر جا رہا تھا کہ میں تمہیں دیکھ ہی نہیں سکا، مگر تم مجھے یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر تم نے مجھے کیسے دیکھ لیا؟'' چنانچہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو نماز کو اس کی پوری صحت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ادائیگی نماز کا سلسلہ پختہ ارادہ و نیت کے بعد وضو سے شروع ہوتا ہے، اس لیے نمازی کو وضو کا خاص اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ (بغیر وضو، سجدہ سخت گناہ ہے)۔

ہم میں سے اکثر لوگوں کو دورانِ نماز مختلف قسم کے خیالات آتے ہیں اور ہماری توجہ نماز کی طرف نہیں رہتی، دورانِ نماز خیالات کو کنٹرول کرنا اور اپنی پوری توجہ و یکسوئی نماز کی طرف رکھنا ہی نماز کی اصل روح ہے۔ یہ یکسوئی و توجہ حاصل کرنے کے عموماً تین طریقے و ذریعے ہیں۔ اس کا پہلا ذریعہ تو یہ ہے کہ ''نماز پڑھتے وقت اگر نماز کے الفاظ پر گرفت رکھی جائے تو اس سے بھی توجہ اِدھر اُدھر نہیں ہٹتی''۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ''پوری نماز کا ترجمہ یاد کر لیا جائے اور نماز پڑھتے وقت نماز کے الفاظ کے ساتھ ساتھ الفاظ کے معانی بھی ذہن میں رکھے جائیں تو یوں بھی توجہ کسی اور طرف نہیں ہٹے گی'' اور تیسرا طریقہ یہ ہے جو خود آپ ﷺ کا بیان کردہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو یہ ذہن میں رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔ لہٰذا جب آپ ان طریقوں کے مطابق نماز ادا کریں گے تو آپ خود محسوس کریں گے کہ نماز ادا کرنے کے مقاصد کیا ہیں؟ اور اس میں کتنی لذت و سکون ہے لیکن وہ لفظ جس کی قرآنِ پاک میں بارہا دفعہ تلقین فرمائی گئی ہے اور جو زندگی کے ہر کام میں ایک مسلمان کا خاصا ہونا چاہیے یعنی غور (توجہ) اس کا ہماری زندگیوں، ہماری تعلیم، ہمارے روزمرہ کے کاموں، ہماری تلاوتِ کلام اور ہماری نمازوں میں ہونا نہایت ضروری ہے، آپ بے شک ایسے لوگوں کو دیکھ لیں جن کے لیے ہم (لفظ کامیاب استعمال کرتے ہیں) کہ وہ جب بھی کسی سے بھی کوئی بھی بات کریں گے تو پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ اور تول کر اور جب بھی کسی کی بھی کوئی بھی بات سنیں گے، کچھ کہیں گے، لکھیں گے،

پڑھیں گے یا کوئی بھی عمل کریں گے تو اس عمل میں اُن کی توجہ، غور اور انہماک قابلِ دید ہوگا کیونکہ یہ غور، تحقیق توجہ اور انہماک ہی ہر کامیابی کی پہلی سیڑھی ہوتے ہیں۔ اب مزید دیکھتے ہیں کہ ہم نماز اور زیادہ توجہ، یکسوئی اور انہماک کے ساتھ کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ آپ نے کئی مرتبہ پڑھا اور سنا ہوگا کہ جب حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ، آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے یا علیحدہ ادا کر رہے ہوتے تو وہ ایسے ساکت ہو کر نماز ادا کرتے کہ پرندے اُن کو درخت سمجھ کر اُن پر بیٹھ جاتے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ خواہ ہم نماز ادا کر رہے ہوں، تلاوتِ قرآن کر رہے ہوں یا کوئی اور دنیاوی علم حاصل کر رہے ہُوں تو اپنی مکمل توجہ اور کمٹ منٹ اپنے عمل کی طرف رکھیں۔

اب چیک کرتے ہیں کہ ہم حالتِ نماز میں مختلف مقامات پر توجہ و یکسوئی کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں؟ تو سب سے پہلی بات یہ کہ نمازی کے ٹخنوں پر سے شلوار اوپر ہونی چاہیے اور کہنیاں اور سر ڈھکے ہوئے ہونے چاہئیں، پھر جب نمازی نیت باندھ لے تو اسے چاہیے کہ خواہ وہ اکیلا نماز ادا کر رہا ہو یا جماعت کے ساتھ، اپنی نظریں تقریباً اپنے قد کے مطابق سجدے والی جگہ پر خوب جما کر رکھے اور اپنی نظریں سجدہ والی جگہ سے نہ ہٹائے اور نماز ادا کرتا رہے، جب رکوع میں جائے تو اپنے دونوں پیروں کے درمیان نظریں رکھے، رکوع سے سیدھا ہو تو بالکل سیدھا کھڑا ہو اور پھر سجدہ میں جائے، جب سجدہ میں جائے تو (ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں اور چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان، زمین پر ٹکائے اور ناک اور ماتھا اچھی طرح زمین سے مَس کرے اور کوشش کرے کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن تقریباً ناک اور کانوں کی لوؤں کے برابر ہوں اور ہاتھ نہ ہی چہرے کے بالکل قریب ہوں اور نہ ہی زیادہ دور ہوں بلکہ مناسب فاصلہ پر ہوں) جب سجدہ سے اٹھے تو کمر سیدھی کر کے بیٹھے اور پھر سجدہ میں جائے اور دوبارہ وہی عمل دہرائے۔ جب سجدہ سے اُٹھ کر تشہد بیٹھے تو نظریں دونوں ہاتھوں کی پشتوں کے درمیان رکھے اور انگلیاں قدرتی حالت میں کھول دے اور آخر میں جب سلام پھیرے تو اپنے دائیں کندھے کے اوپر سے تقریباً پچھلی صف تک نظر لے جائے، یہی عمل بائیں طرف سلام کرتے ہوئے دہرائے۔ جب نماز ختم ہو جائے تو نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا باعثِ ثواب ہوتا ہے اور پھر ذکر (تسبیح) پڑھنی چاہیے، تسبیح پوری توجہ

کے ساتھ پڑھنی چاہیے اور آخر میں اپنے پروردگار سے پورے انہماک اور عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہیے۔

دورانِ نماز ہم سے چھوٹی چھوٹی غلطیاں اور کوتاہیاں سرزد ہو جاتی ہیں جن کا اکثر ہمیں علم بھی نہیں ہوتا اور احساس بھی، لیکن ان غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ہماری نماز نہیں ہوتی۔ مثلاً دورانِ نماز قہقہہ لگانے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور نماز بھی، اسی طرح حالتِ نماز میں اِدھر اُدھر نہیں دیکھنا چاہیے اور نہ ہی دونوں ہاتھوں سے کوئی کام کرنا چاہیے اور اگر کوئی مجبوری ہو تو ایک ہاتھ استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن بار بار ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ جب سجدہ میں جائیں یا سجدہ سے اٹھیں تو کوشش کریں کہ آپ کے دونوں پاؤں زمین سے مَس ہوں، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ایک پاؤں کا زمین سے مَس ہونا لازمی ہے ورنہ آپ کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ جب جماعت کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہوں تو پہلے صفیں درست کریں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں اور ہر آخری صف میں صف کے بائیں طرف سے دائیں طرف چند نمازی زیادہ ہوں اسی طرح دورانِ نماز ہر نمازی پر امام کی اقتداء ہر صورت میں لازم ہوتی ہے، دورانِ نماز نہ تو امام سے آگے بڑھنا چاہیے اور نہ ہی امام سے پیچھے رہنا چاہیے بلکہ امام کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال میں آپ کو دینا چاہتا ہوں کہ جب امام صاحب اللہُ اکبر کہیں اور اللہُ اکبر کے ہو پر پہنچیں تو آپ اللہُ اکبر کہنا شروع کریں اور جب امام صاحب اللہُ اکبر کہہ چکیں تو ان کے بعد ہی آپ کا اللہُ اکبر ختم ہو (فزیکلی بھی امام صاحب کی پیروی کرنی چاہیے اور ایسا کرنے سے فزیکلی بھی امام صاحب کی پیروی ہوگی)۔

پھر یونہی امام صاحب کی اقتداء میں قرآت، قیام، رکوع، سجود اور سلام پھیرنا چاہیے، اس کی مثال کچھ یوں ملتی ہے کہ جب امام صاحب اسلام علیکم ورحمتُ اللہ کہتے ہوئے دائیں طرف سلام پھیرنا شروع کریں تو آپ خواہ اپنی نماز میں قرات کے کسی بھی مقام پر ہوں آپ نے اپنی قرات ختم کر دینی ہے اور جب امام صاحب اسلام علیکُم ورحمت اللہ کے وِ پر پہنچیں تو آپ نے اپنا سلام کہتے ہوئے دائیں طرف رُخ موڑنا شروع کرنا ہے، اس کی پوزیشن کچھ یوں بنے گی کہ جب آپ کا سلام دائیں طرف ختم ہوگا تو امام صاحب، بائیں طرف تقریباً اسلام علیکم ورحمت اللہ کے وِ پر پہنچے ہوں گے

Marfat.com

اور اُن کا رخ بائیں طرف ہوگا اور جب امام صاحب کا سلام بائیں طرف ختم ہو جائے گا تو آپ تقریباً اپنی بائیں طرف اسلام علیکم ورحمت اللہ کے وِ پڑھیں گے اور امام صاحب کے بائیں طرف سلام ختم کرنے کے بعد ہی آپ کا بائیں طرف سلام ختم ہوگا، لیکن امام صاحب کے اپنی بائیں طرف سلام مکمل کر لینے سے پہلے آپ اپنی نماز نہیں چھوڑ سکتے اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کی نماز نہیں ہوگی۔ لہٰذا ہر صورت میں امام صاحب کی اقتداء اور پیروی کرنی چاہیے (لیکن دورانِ نماز اگر امام صاحب سے کوئی غلطی ہو جائے تو آپ لقمہ دے سکتے ہیں)۔

نماز آہستہ، آہستہ تحمل سے اور عاجزی سے ادا کرنی چاہیے اور نماز پڑھتے وقت آپ کی آواز اتنی ہونی چاہیے کہ آپ کے کانوں کو سنائی دے، اس طرح بھی یکسوئی حاصل ہو سکتی ہے لیکن آواز زیادہ (اونچی نہ ہو) اور جب آپ اس سٹیج پر پہنچ جائیں کہ جب اذان ہو اور خواہ آپ کسی بھی حالت میں ہوں تو آپ اپنے اندر ایک کھچاؤ محسوس کریں کہ اذان ہو گئی ہے اور اب میں نے نماز ادا کرنی ہے اور جب آپ یہ سمجھنا شروع کر دیں کہ نماز آپ کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے اور یہ کہ جب تک آپ اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کر لیں آپ کو چین نہ آئے اور ہر دفعہ آپ کی یہی حالت ہو تو آپ سمجھ لیں کہ آپ کو بہت کچھ حاصل ہو چکا ہے۔ ایک بات اور کہ جب آپ پابندی سے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا شروع کر دیں گے تو پھر آپ ایک ہی جگہ پر کھڑے نہیں رہیں گے بلکہ آپ کو مزید آگے بڑھنے کے رستے ملیں گے کیونکہ :

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

☆..................☆☆..................☆

رہنمائی

ہرانسان کی زندگی میں نشیب وفراز آتے رہتے ہیں اور بعض اوقات، ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ انسان سوچنے لگتا ہے کہ میری زندگی کا کیا مقصد ہے؟ میں دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہوں؟ اور اگر میں دنیا میں نہ رہوں تو کون سا کاروبارِ حیات رُک جاتا ہے۔ ایسا سوچ سوچ کر انسان مایوسی و نااُمیدی کی دلدل میں ڈوبتا جاتا ہے اور بعض اوقات کوئی غلط حرکت بھی کر گزرتا ہے۔ میرے خیال میں ایسا سوچنا یا ایسا کوئی عملی قدم اٹھانا سراسر گناہ اور حماقت ہوگی اور ایسی سوچ فقط اسی بندے کی ہوسکتی ہے جس کا ایمان اور یقین کمزور ہوں، کیونکہ انسان کو کھول کر بتا دیا گیا ہے کہ تمہارا پروردِگار تم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ وہ تمہاری شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور اُس نے دنیا میں کوئی بھی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی بلکہ اس نے ہر چیز کی پیدائش کا کوئی نہ کوئی مقصد اور مصرف ضرور رکھا ہے اور ہر چیز کے ذمہ کوئی نہ کوئی ڈیوٹی ضرور لگائی ہے اور انسان تو پھر بھی اشرف المخلوقات اور نائبِ خدا ہے چنانچہ انسان کی طرف سے مایوسی؛ ورنا امیدی کا اظہار کفر ہے! دیر، سویر ہونا ایک لازماً امر ہوسکتا ہے لیکن اندھیر ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ قطعاً راہ فرار اختیار نہ کریں بلکہ ہر لحہ اللہ تعالیٰ سے رجوع رکھیں اور جو فیصلہ یا کام کرنا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضورِ پاک ﷺ کی تعلیمات کے دائرہ کار میں رہتے ہوے اور انہیں مدِنظر رکھتے ہوے کریں اور پھر نتائج کی فکر چھوڑ دیں تو یقین کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ جو آپ کے حق میں بہتر سے بہترین ہوگا وہ کردیا جائے گا اور جو بھی فیصلہ ہو اُس پر صبر کریں، شکر کریں اور الحمد اللہ کہہ کر حق کی راہ پر ڈٹے رہیں تو کامیابیاں ہی کامیابیاں آپ کے اردگرد ہوں گی (یہاں بھی اور وہاں بھی) لیکن ثابت قدمی شرط ہے۔

دنیا کے ہر انسان کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ہر مسئلے کا حل قرآن پاک، سنت پاک اور حدیث پاک میں رکھ دیا گیا ہے چنانچہ جو رجوع کرتے ہیں تو فیض یاب بھی وہی ہوتے ہیں۔

ہم میں سے اکثر لوگ اپنے مختلف کاموں کے سلسلہ میں منتیں وغیرہ مانتے رہتے ہیں، منتیں مانی بھی چاہئیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھنے کی، درودِ پاک پڑھنے کی، روزے رکھنے کی اور کثرت سے قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے کی منتیں بھی مانی چاہئیں۔

آج ہمارے معاشرہ کی یہ حالت ہے کہ بدی کے کاموں کو فخر کے ساتھ کیا جاتا ہے اور پھر اِن کا چرچا بھی خوب کیا جاتا ہے، کیونکہ ہمارے معاشرہ میں اب عزت کا معیار نیکی، پرہیزگاری یا شرافت نہیں بلکہ کرپشن، ہیرا پھیری اور کریمینل ازم ہے۔ آج نیکی و بھلائی یا تو دکھاوے کے لیے کی جاتی ہے یا ڈنڈے سے بچنے کے لیے، جس کی زندہ مثال آپ ٹی۔وی کے ایک اشتہار میں دیکھ سکتے ہیں، جس میں دکھایا گیا ہے کہ ایک آدمی کسی قسم کی چوری کر رہا ہوتا ہے یا کر چکا ہوتا ہے اور اُس کا بیٹا اسے سمجھا رہا ہوتا ہے کہ اب ہم نے چوری نہیں کرنی کیونکہ حکومت نے اب چوری کرنے والوں کے لیے سخت سزا رکھ دی ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بیٹا، باپ سے کہتا کہ ابا، چوری کرنا مذہباً بھی جرم ہے اور اخلاقاً بھی اور یہ کہ چوری ایک حرام اور غلط کام ہے لیکن اس اشتہار میں ہم نے پوری دنیا کے سامنے اعتراف کیا ہے کہ ہم تو پکے چور اور کرپٹ ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں مگر حکومت کے ڈنڈے کا خوف ضرور ہے لہٰذا اب چوری نہیں کرنی اور جب یہ حکومت بدل جائے گی تو پھر جو جی چاہے گا وہ کریں گے۔

آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم کسی پر کوئی احسان کر کے اُس کی گردن پر چڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ساری دنیا میں اس بات کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ ہم نے فلاں شخص پر احسان کیا ہے۔ آج ہر بندے کو دوسرے بندے کے متعلق غلط فہمیاں ہی غلط فہمیاں ہیں اور ہر بندے کا دوسرے بندے پر سے اعتبار اٹھ چکا ہے۔ آج ہر بندہ دوسرے بندے کی بات کی نفی کر کے اپنی بات کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آج ہر بندہ دوسرے بندے کو داؤ لگانے کے چکروں میں رہتا ہے۔ آج ہم ایسے وہ تمام کام کرتے ہیں جن سے ہمیں پیسہ، طاقت اور شہرت حاصل ہو، خواہ وہ کام مذہباً اور

Marfat.com

اخلاقاً غلط ہی کیوں نہ ہوں۔ آج ہم مکروفریب کی چالیں چل کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم بہت ہوشیار ہیں لیکن حقیقت میں ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں، تو ثابت ہوتا ہے کہ آج ہم محض دنیا کی زندگی کو لے کر چل رہے ہیں اور دین اور آخرت کی ہمیں کوئی فکر نہیں، آج ہمیں خود اپنے آپ کو کوئی علم نہیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور کدھر جا رہے ہیں؟ حالانکہ اسی زندگی ہی کی بنیاد پر ہماری ہمیشہ رہنے والی زندگی کا فیصلہ ہونا ہے اور جو لوگ صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں اور اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہیں تو انہیں دنیا میں بھی نوازہ جاتا ہے اور آخرت میں بھی لیکن آج ہم اوروں کی تقلید میں اندھے ہو چکے ہیں اور انتہا سے زیادہ بگڑ چکے ہیں اور اس اشتہار والی مثال کو سامنے رکھ کر نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس چوری اور اس قسم کی دوسری چوریوں سے ہمیشہ کے لیے بچنے اور اس بگاڑ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے ہمیں اپنی ذات کی محنت کو بروئے کار لاتے ہوئے (اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے) اپنے نفس کو ڈھیر کرنا چاہیے اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر اس ذاتی محنت کو نفس کو ڈھیر کرنے کے لیے مزید طاقت فقط، فقط اور فقط نفوذِ شریعتِ محمدی ﷺ سے مل سکتی ہے۔

میں نے اپنے تجربہ کی روشنی میں اور دنیا کے حالات و واقعات دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا ہے اور نئی نئی ایجادات اور نئی نئی چیزیں سامنے آتی ہیں تو ان سے پہلے والی ایجادات اور چیزوں میں سے انسان کی دلچسپی قدرے کم ہوتی جاتی ہے اور یہ سلسلہ یونہی آگے بڑھتا رہتا ہے۔ ہر نئی چیز انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسی چیز میں سے انسان کی کشش کم ہوتی جاتی ہے۔ یعنی انسانی زندگی اپنے گردو پیش میں ہونے والے حالات و واقعات کے درمیان گھومتی رہتی ہے، لیکن بعض چیزیں اور بعض فعل ایسے ہوتے ہیں جن سے نہ تو انسان اُکتاتا ہے اور نہ ہی ان میں سے انسان کی کشش کم ہوتی ہے بلکہ ان میں انسان کی کشش وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ میرے تجربے اور میری سوچ کی پرواز کے مطابق ان چیزوں اور افعال میں سب سے پہلے سچے رب تعالیٰ کی سچی عبادت اور عشق مصطفی ﷺ ہے، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نشانیوں پر تحقیق اور غور و خوض

کرنا ہے، نیکی و بھلائی کے دیگر کام ہیں اور پانی اور گندم ہیں۔

غلطیاں انسانوں ہی سے ہوتی ہیں اور انسان اپنی کی ہوئی غلطیوں سے سیکھتے بھی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مومن ایک سوراخ سے دوسری دفعہ ڈسا نہیں جاتا اور انسان کے سیکھنے کا عمل تو اُس کی موت تک جاری رہتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ جتنی زیادہ ہو سکے توبہ استغفار کریں اور یا حی یا قیوم کا ورد کریں اور زیادہ سے زیادہ درود پاک پڑھنے کی کوشش کریں، کیونکہ اگر انسان اپنی زندگی دینِ اسلام کے مطابق بسر کرے تو اُس کی زندگی کا ہر لمحہ عبادت بن جاتا ہے۔ ہمیں حقیقت پسند بنتے ہوئے حق کے رستہ پر چلنا چاہیے اور یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ چار حالتوں غم، خوشی، غصہ اور اُکتاہٹ میں اپنے نفس کو کنٹرول کرنا قدرے مشکل ہو جاتا ہے (غور کیجئے گا)۔

☆..................☆☆..................☆

نصیب

نصیب انتہائی گہرا اور نہایت مشکل موضوع ہے، چنانچہ میں نہیں سمجھتا کہ نصیب کی تعریف بیان کر سکوں گا لیکن میں نصیب کی تعریف بیان کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔
دیکھیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ نہیں بتایا کہ اُس کی زندگی یا موت کا کون سا وقت مقرر کیا گیا ہے؟ اسی طرح وہ دے کر بھی آزماتا ہے اور دیا ہوا واپس لے کر بھی۔ وہ بادشاہوں کو گدا بنا کر بھی آزماتا ہے اور گداؤں کو بادشاہ بنا کر بھی۔ وہ اولاد اور مال و دولت دے کر بھی آزماتا ہے اور نہ دے کر اور واپس لے کر بھی۔ اُس نے انسان کے اندر محبت کا جذبہ رکھ دیا ہے، سو وہ انسان کو آزماتا ہے کہ انسان اس خوبصورت و پاکیزہ جذبے کو کس سمت لے جاتا ہے (مثبت یا منفی سمت) یا اسے نفرت میں تبدیل کر دیتا ہے اور اگر نفرت میں تبدیل کر دیتا ہے تو پھر اس نفرت کا اظہار کیسے کرتا ہے؟
نصیب کے متعلق دو قسم کے بیانات دیئے جاتے ہیں مثلاً بعض حضرات کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ نصیب بنایا جا سکتا ہے اور بعض کے خیال میں جو کچھ نصیب میں ہوتا ہے وہ ہی ملتا ہے، میں ذاتی طور پر دونوں قسم کے بیانات سے اتفاق کرتا ہوں۔ تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نصیب کو کبھی بھی بُرا بھلا نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ نصیب اللہ تعالیٰ سے منسلک ہے اور اللہ تعالیٰ چونکہ انسان سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور اُس نے انسان کو اشرف المخلوقات اور زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے تو وہ انسان کے حق میں بُرا کیسے چاہ سکتا ہے اس لیے نصیب اور وقت کو قطعاً بُرا نہیں کہنا چاہیے۔
دوسری بات یہ کہ قرآنِ پاک میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے انسان کو برائی اور بھلائی سے الہامی طور پر واقف کر دیا ہے'' (الشمس)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو راہ دکھا

Marfat.com

دیئے ہیں ایک نیکی کا (سیدھا رستہ) اور دوسرا بدی کا (الٹا رستہ) پھر ہر انسان کو اپنی خصوصی رحمت کی بارش سے نوازہ اور عقل، شعور، ذہانت، سوجھ بوجھ، قوتِ فیصلہ اور ضمیر کی طاقت بخشی اور رہتی دنیا تک کے انسانوں کی ہدایت، رہنمائی اور بہتری کے لیے مختلف وقتوں میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے (جن کا اختتام حضور پاک ﷺ پر، قرآنِ پاک پر اور آپ ﷺ کی مکمل و جامع تعلیمات پر یعنی (دینِ اسلام) پر پہنچ کر ہوا۔ اب جو لوگ اُس کی رحمت کی بارش، اپنا ایمان و یقین، اپنی عقل، شعور، ذہانت، جستجو، ہمت، سوجھ بوجھ، قوتِ فیصلہ اور ضمیر کی طاقت استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی زندگیاں بسر کرنے کی کوششیں جاری رکھتے ہیں تو اس راہِ زندگی میں اگر کوئی غم، خوشی، درد، تکلیف، بھوک، پیاس، مال و دولت، قربانی یا کوئی اور امتحان آجائے اور وہ گلہ و شکوہ کی بجائے اپنا ایمان و یقین مضبوط اور پختہ رکھیں اور ہر حال میں سیدھے رستے پر ڈٹے رہیں، صبر و شکر کریں اور آخیر تک کرتے رہیں تو وہ لوگ اپنا نصیب بنا رہے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی نوازہ جاتا ہے اور اصل نصیب جو انہوں نے رحمتِ الٰہی اور اپنی محنت سے کمایا اور بنایا ہوگا وہ انہیں آخرت میں جنت کی صورت میں ہمیشہ کے لیے مل جائے گا۔ علامہ محترم نے بھی فرمایا تھا کہ:

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک

یہ تو بات ہوگئی کہ نصیب بنایا جا سکتا ہے، اب بات کرتے ہیں اِن لوگوں کی جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش، اپنے عقل و شعور وغیرہ اور احکامات و تعلیمات کے باوجود اُلٹے رستے پر چلتے ہیں اور چلتے ہی جاتے ہیں تو وہ بھی اپنا نصیب بنا رہے ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی فیلڈ میں محنت کر کے اپنا نصیب بنا رہے ہوتے ہیں، جس کا بدلہ انہیں دنیا میں زلت کی صورت میں ملتا ہے اور آخرت میں ایک دردناک عذاب کی صورت میں۔ تو مثال صادق آتی ہے کہ جیسا کرو گے

ویسا ہی بھرو گے اور جو بوؤ گے وہی کاٹو گے (فقط غور کرنے کی ضرورت ہے)۔ میں یہاں ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش ضرور کروں گا جو یہ سوچتے ہیں اور کہتے بھی ہیں کہ ہم نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جو ہر طرح کی کرپشن کرتے ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اُنہی پر ہوتی ہیں، بات صرف اتنی سی ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ دے کر بھی آزماتا ہے اور دیا ہوا واپس لے کر بھی۔ دوسرے یہ کہ بُرے کا رسہ تھوڑا سا دراز ضرور ہو سکتا ہے لیکن اسے ڈھیل بالکل نہیں ہوتی، چنانچہ یہ خیال کرنا اور کہنا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حدوں کو توڑتے ہیں لیکن پھر بھی انہیں ہی نوازہ جاتا ہے، ایک غلط سوچ اور ایک غلط بات ہے کیونکہ جیسے کسی کے اعمال ہوں گے ویسا ہی بدلہ اسے وقت کے ساتھ ساتھ جلد یا بدیر دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی اور ایسا سوچنے والوں، راہِ فرار اختیار کرنے والوں اور ادھر اُدھر دیکھنے والوں کو اس بات پر غور و فکر کرنی چاہیے کہ:

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اب اُن لوگوں کے متعلق بات کرتے ہیں جن کا بیان یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ نصیب میں ہوتا ہے وہ ہی ملتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو بات وہ بھی صحیح کر رہے ہوتے ہیں، وہ کیسے؟ تو چیک کریں کہ ایک سگنل پر ایک گاڑی کھڑی ہے اور اُس میں وہ بندہ بیٹھا ہے جو (اپنی زندگی، سیدھے رستے پر گزارنے کی کوششوں میں مصروف رہتا ہے) وہ سگنل پر کھڑا ہوتا ہے اور بغیر اُس کی غلطی کے کوئی اُسے پیچھے سے، سامنے سے یا سائیڈ سے ہٹ کر دیتا ہے (یا اُسے اچانک کوئی خوش خبری مل جاتی ہے یا اُس کی زندگی میں اچانک کوئی موڑ آ جاتا ہے) یا اُس کا کوئی اور مالی یا جانی نقصان ہو جاتا ہے تو بجائے گلہ یا شکوہ کے وہ الحمد اللہ کہتا ہے، صبر کرتا ہے اور یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ جو کچھ میرے حق میں بہتر تھا وہی اللہ پاک نے کیا ہے کیونکہ اُس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے اور بعد میں وقت بھی بتاتا

ہے کہ (اس کام کے ہونے میں اُس شخص کے لیے بھی یا اُس کے ذریعے کسی اور کے لیے بھی سبق پنہاں ہوسکتا ہے) اُس کے حق میں جو اچھا تھا وہی فیصلہ کیا گیا تھا اور وہ تمام زندگی صبر وشکر کے ساتھ گزارتا ہے تو اسے دنیا میں بھی نوازہ جاتا ہے اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ ان ہی مقامات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو کچھ نصیب میں ہوتا ہے وہ ہی ملتا ہے اور سیدھے رستے پر چلنے والوں کے لیے یہاں بھی بہتریاں ہی بہتریاں ہوتی ہیں۔ اب اُن لوگوں کے متعلق بات کرتے ہیں جو اُلٹے رستے پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کی اپنی ہی کسی غلطی مثلاً جھوٹ، فریب، منافقت، رشوت خوری، فساد، شراب (منشیات وغیرہ) چوری، قتل یا کسی بھی قسم کی کرپشن کی وجہ سے انہیں کوئی سزا ملتی ہے تو وہ یہ نہیں کہتے کہ اُن کی اپنی کسی غلطی کی سزا انہیں ملی ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے نصیب میں تھا وہ ہمیں مل گیا اور ہمارے تو نصیب ہی خراب ہیں۔ میرے خیال کے مطابق ایسے لوگ سراسر جھوٹ کہہ رہے ہوتے ہیں جس کی نہ تو کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی وجہ کیونکہ انہیں اُن کی اپنی غلطیوں کی سزا مل رہی ہوتی ہے۔

اب دیکھتے ہیں کہ یہ جو زلزلے، طوفان، سیلاب اور دیگر آفات آتی ہیں جن میں سیدھے رستے پر زندگی گزارنے والے بھی متاثر ہوتے ہیں اور اُلٹے رستے پر زندگی گزارنے والے بھی، اب اس مقام پر نہ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان آفات کی وجہ سے لاتعداد انسان مارے گے اس پر اُس کا شکر اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے نقصان کر دیا ہے، یہاں درمیانی راہ اختیار کرتے ہوے صبر کرنا چاہیے، اُس کا شکر ادا کرنا چاہیے، اپنے اعمال کو دیکھتے ہوئے اُس کی نشانیوں پر غور کرنا چاہیے اور تسلیم کرنا چاہیے کہ (یہ اس کے اپنے کام ہیں اور اپنے کاموں کے متعلق وہ خود ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسا وہ کیوں کرتا ہے) لیکن اُس کی اِن نشانیوں میں بھی (دنیا پر) اور سب سے بڑی نشانی (قیامت والے دن) تک بھی جو ہدایت پر ہوں گے اور ثابت قدم رہے ہوں گے تو اُن کے لیے دنیا میں بھی انعام ہوگا اور آخرت میں بھی۔ میں آپ کو ایک مثال دینا چاہتا ہوں کہ آپ ایک گاڑی پر سفر کر رہے ہیں اور منزل پر پہنچنے تک آپ احتیاط سے کام لیتے ہوئے ڈرائیور کرتے ہیں، سگنل نہیں توڑتے، اوور سپیڈ نہیں ہوتے، دیگر ٹریفک قوانین کی پابندی

Marfat.com

کرتے ہوئے ڈرائیو کرتے ہیں اور بالا آخر اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں اور آئندہ بھی ایسے ہی محتاط ڈرائیونگ کرتے ہیں تو سمجھیں (آپ اپنا نصیب بنا رہے ہوتے ہیں) لیکن ان تمام احتیاطوں کے باوجود اگر پھر بھی آپ کو کوئی حادثہ پیش آجائے یا آپ کسی حادثہ سے بال بال بچ جائیں تو یہ آپ کے نصیب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا، لیکن وقت بتائے گا کہ آپ کے حق میں جو بہتر تھا وہ ہی فیصلہ کیا گیا تھا لیکن آپ کی طرف سے ثابت قدمی شرط ہے۔

اب دوسری گاڑی میں ایک دوسرا بندہ سفر کر رہا ہے اور وہ نہ ہی تو اپنی گاڑی کی سپیڈ کا خیال رکھتا ہے اور نہ ہی ٹریفک کے دوسرے قوانین کا تو اگر اسے کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ اُس کے نصیب میں نہیں ہوگا بلکہ یہ حادثہ اُس کی اپنی غلطی کا نتیجہ ہوگا، اس لیے اِس پر اُس شخص کے گلہ وشکوہ کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا لیکن ان تمام غلطیوں کے باوجود اگر وہ کسی حادثہ سے بچ جائے تو یہ رحمتِ الٰہی ہوگی اور اُس کے لیے وارننگ (کیونکہ وہ معاف کرنے والا الغفور الرحیم ہے سچی و پکی توبہ کرنے والوں کو اور پھر ثابت قدم رہنے والوں کو اور ایسے لوگوں اور تمام لوگوں کا آسرہ وسہارا تو وہ ہی ہے)۔

مجھے کچھ شک سا ہو رہا ہے کہ نصیب اور نفس کا آپس میں کوئی تعلق ضرور ہے اور مجھے نصیب کچھ فی صد نفس ہی کے مرہون منت معلوم ہو رہا ہے کیونکہ انسان جیسی زندگی بسر کرے گا ویسا ہی پھل اُسے دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی اور انسان کی زندگی میں یہ جو اچانک موڑ، کرائیسز، اونچ نیچ یا پلس مائینس آجاتے ہیں تو (لاشك فی) وہ مالک ارض وسماں ہے جو وہ کہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اُس کے حکم کے بغیر نہ ہی تو کوئی پتا ہلتا ہے اور نہ ہی کوئی سانس چلتی ہے چنانچہ یہ اُس کے اپنے (اسرار و رموز ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اور اپنے رازوں کے متعلق وہ خود ہی بہتر طور پر سمجھتا اور جانتا ہے) لیکن یہاں بھی انسان کی اپنی ذاتی محنت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا اور مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا پڑتا ہے اور ثابت قدم رہنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا اعمال سرانجام دینے کی جگہ ہے اور آخرت اعمال کے جوابات کی اور جیسے کسی کے اعمال ہوں گے ویسا ہی بدلہ اُس کو دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور پھر ثابت قدم رہتے ہیں تو اُنہیں دین و دنیا میں بھی کامیاب کیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی۔

☆..............☆☆..............☆

Marfat.com

آزمائش

آپ لوگ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو آزماتا کیوں ہے؟ تو اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں یقیناً کچھ غور کرنا پڑے گا۔ آپ دیکھیں کہ آپ کو اپنی تعلیم کے سلسلہ میں کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر امتحان ہوتا ہے اور نتیجہ نکلتا ہے لیکن اس امتحان اور نتیجے تک پہنچنے کے لیے آپ کو مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے مثلاً آپ کو سکول میں سارا سال محنت کرنا پڑتی ہے، ہوم ورک کرنا پڑتا ہے، پڑھائی کے سلسلہ میں کسی نہ کسی کی مدد لینا پڑتی ہے اور پھر کہیں جا کر امتحان ہوتا ہے۔ اگر آپ اس امتحان میں پاس ہو جائیں تو اس بات کی آپ کو، آپ کے گھر والوں کو، عزیز و اقارب کو اور آپ کے اساتذہ کو بہت خوشی ہوگی اور اگر آپ پورا سال محنت نہیں کرتے، ہوم ورک وغیرہ نہیں کرتے، اپنا وقت اِدھر اُدھر ضائع کر دیتے ہیں اور نتیجتاً یہ کہ آپ امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں تو اس بات کا آپ کو، آپ کے گھر والوں کو اور آپ کے اساتذہ کو بہت دُکھ اور افسوس ہوگا، حالانکہ پورا سال آپ کو یہ احساس ہوتا رہا ہوگا کہ میں محنت نہیں کر رہا ہوں اور اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں لیکن افسوس کہ یہ احساس عمل میں تبدیل نہیں ہو پاتا۔ اسی طرح جب آپ کسی نوکری کے لیے اپلائی کرتے ہیں تو آپ کو نوکری دینے سے پہلے مختلف قسم کی آزمائشوں سے گزارا جاتا ہے مثلاً پہلے آپ کا طبی معائنہ وغیرہ کیا جاتا ہے، پھر تحریری امتحان اور آخر میں انٹرویو لیا جاتا ہے۔ اب اگر آپ ان آزمائشوں میں کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں تو آپ کو نوکری دے دی جائے گی ورنہ آپ سے معذرت کر لی جائے گی۔ اب غور کیجئے گا کہ اگر دنیاوی طور پر ایک نوکری کے حصول کے لیے اتنا سخت لائحہ عمل ہے کہ انتہائی سخت آزمائشوں سے گزرنے کے بعد ہی

نوکری مل سکتی ہے تو پھر جو اجر اللہ تعالیٰ نے ہمیں آخرت میں دینا ہے تو اس کے حصول کے لیے اگر ہمیں آزمائشوں سے گزرنا بھی پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں اور قرآن کریم کے بیان کے مطابق ''ہمارے ماں، باپ (حضرت حوا اور حضرت آدمؑ) کو زمین پر اسی لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ آزمائشوں کی زندگی سے گزریں اور اپنے اختیار اور علم کو آزمائیں'' (سورۃ بقرہ)۔ چنانچہ جب ہم اپنے اختیار (ذاتی محنت) کو استعمال کرتے ہوئے قرآن، سنت اور حدیث کے مطابق چلتے ہوئے اور رحمتِ الٰہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی زندگیاں بسر کریں گے اور آزمائشوں میں کامیاب ہوں گے تو اس کا اجر ہمیں دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت میں یہ اجر ہمیشہ، ہمیشہ رہنے کے لیے ہونا ہے اور جو آزمائشوں میں ناکام ہوں گے تو اُن کے لیے دنیا میں لعنت ہوگی اور آخرت میں ایک دردناک عذاب۔

☆.................☆☆.................☆

محنت

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو زمین پر اپنا نائب مقرر فرمایا تو اس کی تفصیل قرآنِ پاک میں یوں بیان فرمائی ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ اسے بنا رہے ہیں جو زمین پر فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ جب کہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں تمھیں اس کا علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھا دیے پھر انھیں فرشتوں پر پیش کیا۔ پھر کہا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ انھوں نے کہا کہ تو پاک ہے، ہم تو وہی چیزیں جانتے ہیں جو تو نے ہمیں سکھائیں، بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے آدمؑ! ان کو ان چیزوں کے نام بتادو۔ جب آدمؑ نے اُن کے نام بتا دیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا! میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمان اور زمین کے مخفی امور جانتا ہوں اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو'' (البقرہ 33-30)

لہٰذا (انسان کو فرشتوں اور دوسری مخلوقات پر جو برتری حاصل ہے اُس کی بنیاد انسان کی علم حاصل کرنے کی قابلیت اور نیکی و بدی کا اختیار ہے) ان خصوصیات کی بنیاد پر فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کر کے ان کی برتری کو تسلیم کریں، تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے وہ راندہء درگاہ ہوا اور اس وقت سے لے کر آج کے دن تک وہ خود بھی بھٹک رہا ہے اور مخلوقِ خدا کو بھی بھٹکانے میں مسلسل مصروف ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو چونکہ شیطان سے بچنے کے لیے الہامی طور پر نیکی و بدی سے آگاہ فرما دیا ہے اور اُسے عقل دی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ

کی نشانیوں پر غور وفکر کر کے کامیاب ہو سکے، پھر انسان کی مزید رہنمائی کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے جن کا اختتام جناب حضور پاک ﷺ پر ہوا اور پھر انسان کو کھول کر بتا دیا گیا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرو گے تو تمھیں ہر جگہ کامیاب کیا جائے گا اور اگر منہ موڑو گے تو ہر جگہ تباہی و بربادی تمھارا مقدر ہو جائے گی لیکن ہر دور کے انسان کو ان احکامات و تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لیے اور پھر ثابت قدم رہنے کے لیے اپنی ذاتی محنت کی ضرورت رہی تھی، ضرورت ہے اور ضرورت رہے گی۔ علامہ محترم نے بھی کیا خوب فرمایا تھا:

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نئی صبح ، نئی شام پیدا کر

ان ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے عموماً اور نبی آخر الزماں، تمام نبیوں و رسولوں کے سردار، رحمت اللعالمین آپ ﷺ نے خصوصاً راہِ حق میں جو تکالیف اُٹھائی تھیں تو یہ سب کچھ رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے مثال بننا تھی کہ اتنے درجے ہونے کے باوجود اگر راہ حق میں وہ یہ سب تکالیف اور مشقتیں برداشت کر سکتے تھے اور محنت کر سکتے تھے تو پھر ہماری کیا اوقات ہے کہ یہ جو ہم راہِ فرار اختیار کرتے ہیں چنانچہ اگر راہِ حق میں ہمیں کوئی تکلیف پیش آ جائے تو گھبرانا نہیں چاہیے اور نہ ہی راہِ فرار اختیار کرنی چاہیے بلکہ اپنی ذاتی محنت استعمال کرتے ہوئے احکامات و تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔

☆.............☆☆.............☆

جزا و سزا

اللہ تعالیٰ نے جزا اور سزا کا یہ جو عمل رکھا ہے اس کی تشریح حضرت علیؓ کے اس قول سے ہو جاتی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت پر ثواب اور اپنی معصیت پر سزا اس لیے رکھی ہے کہ اپنے بندوں کو عذاب سے دور کرے اور جنت کی طرف گھیرے'' کیوں کہ (وہ اپنے بندوں سے بہت زیادہ محبت رکھتا ہے) لیکن یہاں بھی اُمتِ محمدی کے لیے خاص رعایت ہے کہ اگر ایک مسلمان کے اعمال اچھے ہوں گے تو اُن کا بدلہ اُسے دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی اور اگر اُس کے اعمال اچھے نہیں ہوں گے تو ان کی سزا اُسے دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت میں بھی لیکن آخرت میں اپنے اعمال کا بدلہ چکانے کے بعد اُسے بخش دیا جائے گا (لیکن شرک کرنے والوں کے لیے کوئی معافی نہیں) اور غیر مسلموں کو اُن کے اعمال کی جزاء بھی اور سزا بھی دنیا میں ملے گی لیکن آخرت میں اُن کے لیے ایک نہ ختم ہونے والی سزا کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔

☆..............☆☆..............☆

بقاء کا رستہ

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں اُمتِ محمدی ﷺ میں سے کیا ہے۔ پھر میں اُس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے ہمیں صحت مند جسم، صحت مند دماغ اور مکمل اعضاء سے نوازا اور یہ چیزیں اتنی بڑی اور قیمتی نعمتیں ہیں کہ اگر انسان تمام عمر سجدہ میں رہے تو تب بھی شکر ادا نہیں کرسکتا کیوں کہ ان کی قدر و منزلت اُن سے معلوم کریں جو ان سے محروم ہیں اور باقی نعمتوں اور رحمتوں کے ساتھ ساتھ یہ دو نعمتیں اور رحمتیں ایسی ہیں جن کا نعمل البدل کوئی چیز نہیں ہوسکتی لیکن جب انہی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا ہوا بچہ جوان ہوتا ہے تو وہ عجیب و غریب قسم کے دعوے کرنا شروع کردیتا ہے، کبھی وہ کہتا ہے کہ میں بہت طاقتور ہوں کبھی وہ کہتا ہے کہ (نعوذ باللہ) میرا کوئی شریک نہیں اور کبھی وہ اس بات کا دعوے دار بن جاتا ہے کہ میں جو جی چاہے وہ کرسکتا ہوں لیکن اُس کے تمام دعوؤں کے بدلے میں مَیں اس سے ایک ہی بات پوچھوں گا کہ چلو مانا کہ تم بہت کچھ ہو لیکن مجھے یہ تو بتاؤ کہ کیا تم دنیا میں اپنی مرضی سے آ گئے تھے؟ پھر جب تم دنیا میں آچکے تو اگر تمھیں اپاہج پیدا کردیا جاتا تو پھر؟ چلو اس بحث کو چھوڑتے ہیں مجھے اتنا تو بتاؤ کہ جب تم چھوٹے تھے تو تمھارا جسم اِتنا ہی نازک تھا جتنا کہ کانچ اور تمھارے بچپن میں اگر کوئی تمھیں بے احتیاطی سے اٹھاتا، بٹھاتا یا لٹاتا وغیرہ تو تمھاری جان یا کم از کم تمھارے اعضاء کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ چلو اسے بھی چھوڑتے ہیں تم مجھے فقط اتنا بتادو کہ کیا اب تم اپنے آپ کو ہر چیز سے محفوظ سمجھنے لگے ہو؟ اگر ہاں تو وہ کیسے اور کسی طاقت کے بل بوتے پر؟ اور تمھارا کیا خیال ہے کہ کیا وہ ابھی، اسی وقت تمھیں مفلوج، پاگل یا اپاہج نہیں کرسکتا یا اچانک تمھیں موت نہیں دے سکتا اور مجھے یہ

Marfat.com

تو بتاؤ کہ آج کل تم نے لوگوں کو یہ کیا چکر دینے شروع کیے ہوئے ہیں کہ میں ایک پہنچا ہوا عالم ہوں اور جو کسی کی تمنا ہو وہ میرے ہاں پوری ہو سکتی ہے۔ دیواروں پر تو میں نے تمھارے لکھے ہوئے دعوے پڑھے تھے لیکن اب تو حد ہو گئی ہے کہ تمھارے شیطانی دعوے بڑے بڑے مشہور اخبارات میں چھپ رہے ہیں جن میں تم اس بات کے بھی دعوے دار ہو کہ جو بھی کسی کی حاجت ہو وہ (نعوذ باللہ) تمھارے ہاں روا ہو سکتی ہے، حتیٰ کہ اولاد اور اولاد میں سے بیٹی یا بیٹا بھی فرمائش پر حاصل کیے جا سکتے ہیں اور ان اخبار والوں کا یہ حال ہے کہ چند سو روپوں کی خاطر وہ بدی کو عام کر رہے ہیں اور لوگوں کا ایمان ویقین ڈانواں ڈول کر رہے ہیں، لیکن لوگ بھی اتنے حضرت ہیں کہ غریب سے امیر تک ان جیسے شیطانوں کے پاس اپنی تمنائیں لے کر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، جو کہ کھلم کھلا شرک ہے اور شرک کی اس بُرائی کو پھیلانے میں ان شیطانوں کے علاوہ میڈیا اور لوگوں کا اپنا بھی بہت زیادہ ہاتھ اور قصور ہے حالانکہ سورہ فلق اور سورۃ الناس میں سب کچھ کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ جو چیز دینا چاہے وہ روک کوئی نہیں سکتا اور جو چیز نہ دینا چاہے وہ دے کوئی نہیں سکتا اور یقیناً ایمان ویقین کو ڈانواں ڈول کرنے کا ایک ذریعہ علم کی کمی اور جہالت بھی ہیں (آج ہم کلمہ شہادت وکلمہ طیبہ کا اقرار بھی کرتے ہیں اور اللہ اکبر بھی کہتے ہیں لیکن حیرت ہے کہ پھر بھی ایسی حرکتیں کرتے ہیں)۔

شرک ایک ایسا فعل ہے جس کی کوئی معافی نہیں اور شرک کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار ہی کر دیا جائے، بلکہ شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اقرار کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی (الٰہ، معبود، طاقت ور) بنا لیا جائے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ''اور وہ کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس'' (یونس 18) اور پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ ''ہم ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے ہاں ہمیں بلحاظ درجہ قریب تر کر دیتے ہیں'' (الزمر 3)۔ ایسا کہنے والے کون تھے؟ تو ایسا کہنے والے مشرکینِ عرب تھے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر تو نہ تھے، لیکن وہ اپنے بنائے ہوئے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور یہ ہی اُن کا شرک تھا یعنی بجائے خود کچھ کرنے کے کسی اور کو ذریعہ بنانا۔ میں اپنی بات کی مزید وضاحت

Marfat.com

علامہ محترم کے اس شعر سے کروں گا کہ:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

آج ہمارے معاشرے میں اس بُرائی کے ساتھ ساتھ بداخلاقی، جھوٹ، فریب، حسد، بغض، کینہ، سفارش، ملاوٹ، شراب، قیافہ شناسی، بے حسی، منشیات، سگریٹ، ڈکیتی، قانون شکنی، بے ایمانی، بے صبری پیشہ ور گداگری، رشوت، وہم اور منافقت وغیرہ کی بُرائیاں بری طرح سرایت کر چکی ہیں۔ آج ہماری منافقت کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی ٹریفک سگنل پر کوئی پولیس مین موجود ہو تو ہم سگنل پر رک جاتے ہیں اور اگر نہ ہو تو پھر ہمیں کسی بات کی کوئی بھی پرواہ نہیں ہوتی اور اگر ایک یا دو بندے سگنل پر رکے ہوئے ہوں تو وہ اپنے آپ کو بے وقوف یا پاگل سمجھنے لگتے ہیں کیونکہ اُن کے اردگرد حالات وواقعات ہی ایسے پیش آرہے ہوتے ہیں۔ آج ہماری جان، مال، عزت، کار، موٹر سائیکل، سائیکل اور موبائل سمیت کچھ بھی محفوظ نہیں رہا، آج ہمارے ہاں تحفظ فقط چوروں، ڈاکوں یا بدمعاشوں کو دیا جاتا ہے یا پھر اعلیٰ قسم کے (چوروں، ڈاکوں یا بدمعاشوں) کو کیونکہ شریف لوگوں کو کون سا کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے اور بااصول بندے کو پاگل گردانا جاتا ہے۔ آج ہم پہلے بولتے ہیں اور بعد میں تولتے ہیں، میرٹ کو مذاق اور علم کو محض حصول رزق کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ آج ہر طرف منافقت کا بازار گرم ہے اور جو کام ایک مسلمان کا خاصا ہونے چاہئیں تھے وہ سب غیروں نے اپنا لیے ہیں اور غیروں کی تمام خرابیاں اور بُرائیاں آج ہم میں عام ہیں، آج ہم چڑھتے سورج کے پجاری بن چکے ہیں اور شرافت کو بزدلی اور کرپشن وکرائم کو عزت کا معیار گردان لیا گیا ہے، آج ہم تعمیری کام کم اور تخریبی کام زیادہ کر رہے ہیں، آج جس کی لاٹھی اُس کی بھینس اور جنگل کا قانون نافذ ہے، آج ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا رہی ہے اور جس تھالی میں کھایا جاتا ہے اُسے ہی چھیدا جاتا ہے اور کسی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ (آری کو ایک طرف لیکن لوگوں کو آج دونوں طرف

Marfat.com

دندانے ہیں) لیکن یاد رکھیں کہ جیت ہمیشہ حق ، سچ ، نیکی اور شرافت کی ہوتی ہے۔

مجھے تو اپنے معاشرہ کی سمجھ نہیں آتی کہ ہم کو اور سب کو، سب کچھ واضح کر کے بتا اور سمجھا دیا گیا ہے کہ کامیابی کدھر اور کن کاموں میں ہے اور تباہی کدھر اور کن کاموں میں ہے، لیکن پھر بھی ہم باؤلوں کی طرح ادھر اُدھر دھکے کھا رہے ہیں اور فقط دنیا کمانے کے چکروں میں ہلکان ہو رہے ہیں، حالانکہ اگر ہم قرآن وسنت کے مطابق چلیں تو ہمارے لیے کیا سب کے لیے یہاں سب کچھ موجود ہے اور جن دنیاوی چیزوں کے لیے آج ہم خوار ہو رہے ہیں وہ یہاں بالکل آسانی سے اور بہتر طریقے سے میسر ہیں اور یہاں ہی ایک کامیاب و کامران اور متوازن دنیاوی زندگی کی ضمانت ہے اور پھر اس زندگی ہی کی بناء پر ایک اجرِ عظیم ہے، لیکن حیرت ہے کہ آج ہمیں آخرت کی کوئی فکر ہی نہیں اور ہم فقط دنیا بنانے کے چکروں میں جائز و ناجائز تدبیریں کر رہے ہیں حالانکہ واضح حکمِ الٰہی ہے کہ:

ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے
ہو گا وہی جو میری چاہت ہے
اگر تو پورا کردے میری چاہت کو
تو تجھ کو وہ بھی عطا کر دوں گا جو تیری چاہت ہے
ورنہ میں تجھ کو تیری خواہشوں میں تھکا دوں گا
اور ہوگا وہی جو میری چاہت ہے

ایک مسلمان کے لیے تو یہ زندگی گزارنا بہت آسان ہے اور حضرت علیؓ نے بھی فرمایا تھا کہ ’’اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اس لیے دی ہے کہ اس کی مدد سے وہ نجات حاصل کر سکے‘‘ اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو واضح طور پر نیکی و بدی کے دو رستے بتا دیے ہیں جن کا اختتام قبر (موت) پر پہنچ کر ہوتا ہے۔ اب یہ بہت کچھ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ وہ نیکی و ہدایت والے رستہ پر چلتا

جائے یا بدی والے رستہ پر لیکن پہنچنا اس نے ایک ہی جگہ ہوتا ہے پھر وہاں سے اعمال کے مطابق جزاء یا سزا کا فائنل عمل شروع ہو جاتا ہے لیکن آج ہم نے خود ہی ہر چیز اپنے لیے گھمبیر اور مشکل کر لی ہے کیوں کہ کہیں فرقہ بازی کی جنگ ہے اور کہیں نظریات کی کہیں اقتدار کی جنگ ہے (یہاں نہ تو کوئی ملک سے مخلص ہے اور نہ ہی قوم سے کیوں کہ ہر کوئی اختیار اور اقتدار کے حصول کی جنگ لڑ رہا ہے) اور کہیں خودکش حملوں کی (آج مسلمان ہی مسلمان کو ناحق مار رہا ہے اور (نعوذ باللہ) جزاو سزا کا مالک بن کر خود ہی فیصلے صادر کر رہا ہے کہ فلاں شخص گناہگار ہے اس لیے اسے ختم کر دیا جائے) حالانکہ ہم کون ہوتے ہیں اس قسم کی باتوں کا فیصلہ کرنے والے لیکن پتہ نہیں کون سی منطق ہے جس پر آج ہم رواں دواں ہیں کیوں اسلام نے تو ایک غیر مسلم کی جان کو بھی قیمتی قرار دیا ہے اور آج ہمارے جو حالات ہیں وہ سب آپ حضرات کے سامنے ہیں اور کسی کا یہ کہنا کہ "جب میں پاکستان گیا تو وہاں مجھے مسلمان تو ہر جگہ نظر آئے لیکن اسلام کہیں نظر نہ آیا اور جب میں ایک اور مغربی ملک گیا تو وہاں مجھے مسلمان تو کہیں نظر نہ آئے لیکن اسلام ہر جگہ نظر آیا" یہ بات ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ سب سے پہلے اپنا قبلہ درست کریں، انفرادی طور پر اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور قبول کریں کیوں کہ سب سے پہلے ہمیں اپنی ذات کی تعمیر کی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے پہلے اپنی ذات کے اوپر احتساب اور شریعت کے نفوذ کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ہم اپنی ذات کی تعمیر و تربیت کر لیں گے تو پھر ہی ہم کسی اور کو اس کے متعلق تلقین و نصیحت کر سکیں گے! یوں یہ سلسلہ آگے ہی آگے چل نکلتا ہے جس کی منزل ہوتی ہے پورا معاشرہ کیوں کہ:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

ہمیں زندگی گزارنے کا ایک پختہ لائحہ عمل بنا لینا چاہیے کہ ہم نے کسی بھی صورت میں احکامات و تعلیمات

سے روگردانی نہیں کرنی، خواہ ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ پھر ہر لمحہ اپنی نفس کو زیر کرنے کے لیے اپنے اوپر چیک اینڈ بیلنس رکھنا چاہیے اور اپنے آپ کو چیک کرتے رہنا چاہیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں کیوں کہ انسان اپنے اندر کے حالات سے آگاہی دوسروں کی نسبت خود زیادہ بہتر طور پر رکھتا ہے۔

نماز دکھاوے کے بغیر پورے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنی چاہیے، غصہ پر قابو رکھنا چاہیے، حسد نہیں کرنا چاہیے، نظریں جھکا کر رکھنی چاہییں (کیوں کہ اگر آپ کی نظریں دوسروں کے متعلق جھکی ہوئی ہوں گی تو دوسروں کی نظریں بھی آپ کے متعلق جھکی ہوئی ہوں گی) اور یاد رکھنا چاہیے کہ ''جو خاموش رہا وہ کامیاب ہو گیا'' (لیکن خاموشی کی جس مقام پر ضرورت ہو تو اگر اُس مقام پر خاموش رہا جائے تو میرے خیال میں یقیناً اس بات کا بڑا اجر وثواب ہو گا اور یہ عمل عبادت کے بھی برابر ہو گا) چنانچہ انسان کا ایمان ویقین جتنا زیادہ پختہ ہوتا ہے اُس کی زندگی اتنی ہی کامیاب وآسان ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس سبب سے خلیل بنایا؟ تو آپؑ نے جواب دیا کہ تین باتوں کی وجہ سے ان میں سے (صرف ایک بات کا ذکر میں یہاں کروں گا) کہ ''جس چیز کی خود اللہ تعالیٰ نے ضمانت لی ہے اس کے متعلق میں نے کبھی فکر وتردد نہیں کیا'' حضرت ابراہیمؑ کی بات کی روشنی میں مَیں آپ کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ شاہ شجاع کرمانی نے عشقِ الٰہی میں بادشاہت کو چھوڑا تھا اُن کی ایک صاحبزادی تھیں جنھوں نے آپ سے درخواست کی کہ ابا میری شادی کسی زاہد سے کرنا (یہاں میں آپ کے سامنے زاہد کی تعریف بیان کرنا چاہتا ہوں، ایک دفعہ جناب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ زاہد کون شخص ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو قبر اور اس کے امتحان کو نہ بھولا، جس نے دنیا کی زینت کو ترک کیا، جس نے باقی کو فانی پر ترجیح دی جس نے آنے والے کل کو اپنی زندگی میں شمار نہ کیا اور اپنے آپ کو فوت شدگان میں شمار کیا)''

(شرح اربعین، ابنِ حجر)

اب شاہ کرمانی منتظر رہے کہ کوئی زاہد ملے تو معاملہ طے ہو مگر زاہد کہاں سے ملے؟ شاہ کرمانی نے ایک

Marfat.com

دن مسجد میں ایک نوجوان کو نماز پڑھتے دیکھا اور اُس کی نماز کو دیکھ کر سمجھ گے کہ زاہد ہے۔نوجوان جب نماز سے فارغ ہوا تو شاہ کرمانی نے اس سے دریافت کیا ''صاحبزادے آپ کی شادی ہوگئی ہے؟ نوجوان نے کہا کہ میرے جیسے مسکین شخص کو کون رشتہ دے گا؟ شاہ کرمانی نے کہا کہ اگر تمھاری شادی شاہ کرمانی کی بیٹی سے ہو جائے تو کیسا رہے گا؟ نوجوان نے انھیں پہچانا نہیں تھا اس لیے تذبذب کا شکار رہا تو شاہ کرمانی نے کہا کہ میں ہی شاہ کرمانی ہوں اور اپنی بیٹی کی شادی تمھارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔نوجوان بولا آپ تو ٹھہرے مقربین میں سے مگر رشتہ تو آپ کی صاحبزادی سے ہوگا اور وہ اس بات کو ہرگز پسند نہیں کریں گی۔ شاہ نے فرمایا یہ میری بیٹی ہی کی درخواست ہے کہ اس کی شادی کسی زاہد سے کی جائے۔ چنانچہ شادی ہوگئی۔ شاہ کرمانی اپنی صاحبزادی کو لے کر محل سے اس فقیر کے یہاں جھونپڑی میں پہنچے۔ جیسے ہی صاحبزادی نے جھونپڑی میں قدم رکھا تو وہ چلا اٹھی کہ ابا آپ نے مجھے ڈبو دیا۔تو وہ نوجوان بولا دیکھیے حضور میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ تو آپ کا خیال ہے۔آپ کی صاحبزادی میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گی تو صاحبزادی بولی کچھ معلوم بھی ہے کہ میں کیوں چلائی ہوں؟ دراصل میں نے جھونپڑی میں داخل ہوتے ہی دیکھ لیا تھا کہ پانی کے مٹکے پر روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا ہے میں پوچھتی ہوں کہ یہ کیوں بچا کر رکھا ہے؟ جس کو اللہ تعالیٰ پر اتنا اعتماد نہیں کہ وہ آئندہ بھی رزق عطا فرمائے گا وہ زاہد کیسا؟ لڑکے نے کہا بات یہ ہے کہ آج میرا روزہ ہے سحری جو میں نے کھائی تھی اس سے یہ ٹکڑا بچ گیا تھا تو اسے میں نے افطار کے لیے رکھ دیا ہے یہ ضرورت سے زائد نہیں ہے۔صاحبزادی بولی اسی بات کا تو رونا رو رہی ہوں کہ جس مالک نے سحری کے وقت کھلایا اس پر اتنا اعتماد و یقین بھی نہیں کہ وہ افطار کے وقت بھی کھلائے گا۔

اور جب صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام مال لا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ڈھیر کر دیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''گھر میں کچھ چھوڑا ہے کہ نہیں؟ تو جناب صدیق اکبرؓ نے جواب دیا ہاں میں گھر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام چھوڑ آیا ہوں''۔تو صاحب! ایسے ہوتے ہیں ایمان و یقین اور جب ایمان و یقین مضبوط و محکم ہوں تو تب ہی بیٹے کی جگہ دنبہ قربان ہوتا ہے، تب ہی دریا رستہ

Marfat.com

دیتا ہے، تب ہی آگ گل وگلزار ہوتی ہے، تب ہی مردے زندہ ہوتے ہیں، تب ہی چاند دوٹکڑے ہوتا ہے اور تب ہی مسلمان، مسلمان ہوتا ہے۔ لیکن آج ہم نے اپنے اوپر جھوٹی اناؤں کے خول چڑھا رکھے ہیں اور ہمارے ایمان و یقین کا یہ عالم ہے کہ ہماری دوڑ فقط دنیا داری سے شروع ہوتی ہے اور دنیا داری پر ہی ختم ہو جاتی ہے، جیسے بخشش کا واحد ذریعہ یہ مال و دولت اور جائیدادیں ہی ہوں۔ حالانکہ بقاء کا رستہ تو یہ ہے کہ آخرت کو مدنظر رکھتے ہوئے دنیا کی پالیسیز بنائی جائیں تو تب ہی دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی۔

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ ایک ہی انسان کے متعلق دوسرے مختلف انسانوں کے خیالات کافی مختلف ہوتے ہیں' اسی انسان کو ایک انسان صحیح سمجھتا ہے اور دوسرا غلط۔ اب جو پہلا انسان اُسے صحیح سمجھ رہا ہوتا ہے تو اُس کا دل، دماغ، سوچ، خیالات اور عادات وغیرہ اُس انسان سے ملتی ہیں اس لیے وہ اُسے پسند کرتا ہے اور دوسرے انسان کا دل، دماغ، سوچ، خیالات اور عادات وغیرہ اُس انسان سے نہیں ملتی ہیں اس لیے وہ اُسی انسان سے نفرت کرنے لگتا ہے جسے پہلا انسان پسند کرتا ہے۔ لیکن ایسا تو ان دونوں انسانوں کی آپس میں سوچ، خیالات، جذبات اور عادات وغیرہ کے فرق کی وجہ سے ہوتا ہے اور ان دونوں میں ایک صحیح ہوتا ہے اور ایک غلط۔ چنانچہ ان میں سے جو حق، سچ، نیکی اور شرافت کے رستے پر ہوتا ہے تو وہ ہی صحیح ہوتا ہے اور اسے ہی کامیابی ملتی ہے۔

میں آپ حضرات کو غصہ، ٹینشن اور ڈپریشن کا ایک علاج بتانا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ اپنی ذات پر اپنا اعتماد اتنا پختہ بنالیں کہ جتنا میں بیان نہیں کرسکتا ہوں پھر یہ کہ جب بھی کوئی دکھ، تکلیف، غم، خوشی، فکر، دشواری یا کوئی امتحان پیش آجائے تو بجائے آہ وزاری کے، گلہ وشکوہ کے اور ادھر ادھر بھاگنے کے توبہ، استغفار کریں، اپنے اعمال پر نظر دوڑائیں اور یہ سمجھ لیں کہ ہمارے لیے اور سب کے لیے آپ ﷺ کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے کیوں آپ ﷺ کی زندگی قرآن پاک کی تفسیر ہے اور یہ آپ ﷺ ہی کی عظمت ہے کہ اس کائنات کی محفل آپ ﷺ کی تشریف آوری کے لیے سجائی گئی اور آپ ﷺ کو دونوں جہانوں

Marfat.com

کا سردار بنایا گیا اور اگر ان سب کچھ اور ان کے علاوہ اور بہت کچھ ہونے کے باوجود آپ ﷺ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دے سکتے تھے، بکریاں چرا سکتے تھے، جوتے گانٹھ سکتے تھے ایک عام مزدور کی طرح کام کر سکتے تھے، جنگِ خندق میں اپنے ہاتھوں سے خندق کھود سکتے تھے، طائف میں جوتے لہو مبارک سے بھر سکتے تھے، جنگِ احد میں چہرہ مبارک زخمی ہو سکتا تھا اور پھر حبیبِ خدا اور آقا سرکارِ دو جہاں ﷺ ہونے کے باوجود اور دنیا جہاں کے خزانے قدموں میں ہونے کے باوجود چٹائی پر زندگی بسر کر سکتے تھے تو مجھے فقط اتنا بتا دیں کہ پھر ہماری کیا اوقات ہے کہ یہ جو ہم ذرا ذرا سی بات پر ٹینشن اور ڈپریشن میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہم کرنے لگتے ہیں، پٹڑی سے اترنے لگتے ہیں اور اُول فول بکنے لگتے ہیں۔

ان تمام ٹینشنز، ڈپریشنز، وہموں، دکھوں، غموں، تکالیف، دشواریوں اور امتحانوں کا علاج اور ان میں کامیابی کا واحد ذریعہ فقط اللہ تعالیٰ کے احکامات اور جناب حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے اور ان پر سختی سے کاربند رہنے کی صورت میں ہے اور یہ چھوٹی سے بات سب سے بڑی اور واضح حقیقت ہے کہ زندگی کی ہر اونچ نیچ میں کامیابی اور اپنے نفس پر قابو احکامات و تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہو کر حاصل کیا جا سکتا ہے اور پھر اس کامیاب زندگی کی بنیاد پر ایک اجرِ عظیم آپ کا منتظر ہوگا۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ ''کہہ دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت رب اللعالمین کے لیے ہے'' (الانعام 163)

شیطانی خیالات، وسوسوں اور سوچوں کو رد کرتے ہوئے اپنے خیالات، سوچیں اور فیصلے (ارادے+نیتیں) مثبت سمت سرگرداں رکھیں، غور کریں، تسلیم کریں اور عمل کریں۔

میں اپنی بات مولانا محمد علی جوہر کے اس شعر پر ختم کروں گا۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

☆..................☆☆..................☆

Marfat.com

Marfat.com